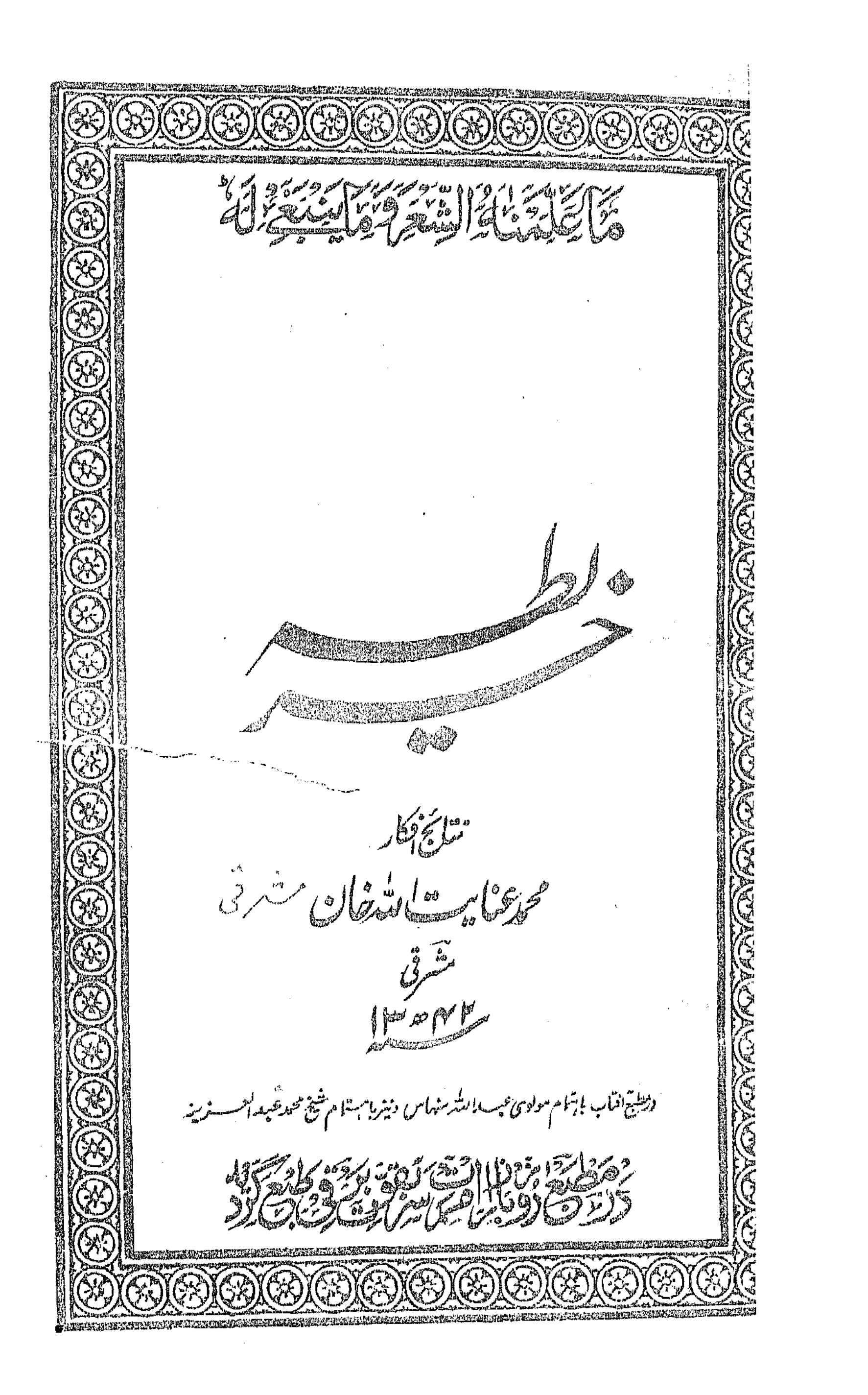


وما علمناه الشعر وما ينبغي له

خریطہ

نتائج افکار

محمد عنایت اللہ خان مشرقی

مشرقی

سنہ ۱۳۴۲

در مطبع آفتاب باہتمام مولوی عبد اللہ شہاس و نیز باہتمام شیخ محمد عبد العزیز

در مطبع دفاتر اسلام امرتسر مشرقی بطبع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کسی قوم کی بہترین شاعری کی تاریخ دراصل اس کی پستی اور انحطاط کی تاریخ ہے۔ قوم کے ذہنی محسوسات اور جذبات عالم شعر و خیال میں اُس وقت منتقل ہو جاتے ہیں جب علم و عمل کی روشنیاں تاریک سیاست سے محو ہو جاتی ہیں، جب سکون اور جمود سے مظاہر آبادی پیدا ہو جاتے ہیں جب اس زمانہ میں جوش اسلوبی اور زندہ رہنے کا لائحہ عمل ہر ایک کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، عقائد سست پڑ کر اور دل سخت ہو کر ایک عام سیاہی اور وحشت چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔ پھر وہی تخیل جو کسی زمانے میں ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دیا کرتا تھا، شعر میں منتقل ہو کر دل کے اندر ایک ادنیٰ سا تموج اور ایک خفیف سی سنسناہٹ، ایک بے نتیجہ ہیجان یا اک بے اثر چہچہاہٹ پیدا کر دیتا ہے۔ لوگ اسی کو ترقی سیاسی زندگی اور جذبۂ قومی سے تعبیر کر لیتے ہیں، اور یہی ان کو مسرور رکھتے ہیں

(۱)

فہرست مضامین خمریہ

قانونِ خدا کا علم رفتہ رفتہ افراد سے گھٹتے گھٹتے کالعدم ہوگیا تھا، یا اُس وقت کہ قوم
بحیثیت مجموعی جہل کی تاریکیوں میں مدت مدید سے گھری ہوئی تھی اور سیاہی فی الجملہ
اُسکی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ایسے وقت کا شاعر شعر کے اعتبار سے بہتر سے بہتر
رہا ہے۔ اُسکا کلام اِس قدر بلیغ، الفاظ اِس قدر چُست، بندشیں اِس قدر عجیب و
غریب اور اقوال اِس قدر جاذب، دلفریب اور مہیّج رہے ہیں کہ قوم اکثر اوقات
برسوں اور قرنوں تک اُس کا کلام چٹخارے لے لے کر پڑھتی رہی ہے مگر علم و خبر کے
اعتبار سے ایسے شاعر کے کلام کی قدر و منزلت کہیں کچھ نہیں ہوئی۔ صاحبِ علم قوم
نے اُسکے کلام سے اکثر کچھ اخذ نہیں کیا۔ کسی اُمت یا جماعت نے اسکے مقولات کو تمدّن
و عمران کا اصل اصول نہیں بنایا۔ کوئی حل، کوئی رہنمائی، کوئی مستقل اور دیرپا تحریک
کسی بڑے سے بڑے شاعر نے روئے زمین کی کسی قوم میں اس نمط پر پیدا نہیں کی کہ
وہ اپنے عہد میں یا بعد کو ایک عام انگیخت کا بانی قرار دیا جاسکے۔ جہاں کہیں کوئی اُبھار
پیدا ہوا ہے علم کی وجہ سے ہوا ہے حس و نبوّت کے باعث سے ہوا ہے۔ یا اُس قوم
میں سمع و بصر کے محسوسات ترقی کرگئے ہیں یا ذہنِ سلیم رفتہ رفتہ قبولیت پر آمادہ
ہوگیا ہے یا قانونِ خدا آنکھوں کے سامنے خود بخود آگیا ہے یا اس زمین و آسمان
کی ادارت کی خبر مل گئی ہے یا کسی صاحبِ علم نے رہنمائی کردی ہے یا صراطِ مستقیم چند
لفظوں کے اندر بتلا گیا ہے۔ پھر قوم کو جب وہ راہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی اُسکا
منتہا اور مفاد سامنے نظر آگیا تو سب یک بیک کھلتے چلے گئے اور وہ اُمت لمحۃ البصر میں

سعی و عمل کے فقدان کے باعث تمام زور اُس تخیل کو ملا جو صورت بنانے میں صرف ہوتا
ہے، اُس کے بے عمل قدر شناس، اور بانی واہ واہ کرنے والے سب طرف سے پیدا ہو جاتے ہیں
اور ہر طرف سے علم ادب کا ایک فصیح اور خوب صورت، ایک دلآویز اور ہیجان خیز اگر
بے نتیجہ اور ناکارہ آمیزہ تیار ہو جاتا ہے!

عالم اور عامل قومیں شعر سے فی الجملہ ناآشنا ہوتی ہیں، اُن کے ہاں جیسے جیسے
علم کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، ہاتھ اور پاؤں کا عمل پیدا ہوتا جاتا ہے۔ قانون خداوندی سے
واقفیت اُن کے اعضا میں اضطراب و تحرک کی ایک لہر دوڑا دیتی ہے۔ وہ اس بات کے
درپے رہتے ہیں کہ ارض و سما کے اس حیران کن کارخانے سے کار آمد کچھ کر دکھائیں کوئی
نتیجہ خیز بات پیدا ہو، کچھ ریل سے کسی سمت چھاپہ ماریں کسی دوسری قوم کو محکوم
بنائیں، کہیں دولت پیدا ہو، کچھ علم ہیں، حکم ہیں، ہنر ہیں، تجارت میں ترقی ہو،
سر بفلک عمارتیں ہوں عظیم الشان ایجادات کی جائیں۔ یہی ایک ہیجان اُن کے دلوں کو
ہر وقت گرماتا رہتا ہے۔ کر دکھانے کی بجائے کچھ کہہ دینے کا خیال اُن کو اکثر بہت گندہ سا
وہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کے اندر صحت نتیجہ رہتی عمل سے ہے، قول سے کچھ نہیں۔
جو شخص عمل پر قادر ہے اُس کے لیے کہنا عبث ہے، اور قول بے عمل تو بہرحال ایک
باد ہوائی شئے ہے جس کی اس کارگاہ سعی و عمل میں کچھ وقعت نہیں۔

یہی باعث ہے کہ مقتدر **شاعر** جہاں کہیں پیدا ہوا ہے اُس قوم کے انحطاط
یا انتہائی جہالت کے زمانے میں پیدا ہوا ہے یا اس وقت پیدا ہوا ہے جب کہ

رونق بڑھانے کے لیے اپنے ارغنون کی تاریں کس لیتا ہے، مگر جس رنگ میں ظاہر ہوتا
ہے اکثر بے عمل ہوتا ہے، بے اثر ہوتا ہے، ناکارفرما، نارسا اور ناکارگر ہوتا ہے،
جذبات کے اظہار میں بے عمل، منطق اور دلیل میں بے عمل، کارفرمائی میں بے عمل،
چارہ گری میں بے عمل، حتیٰ کہ اکثر اوقات عشق و تغزل میں بے عمل، نوحہ گری اور قصہ
خیزی میں بھی بے عمل ہوتا ہے۔ آپ روتا نہیں مگر اوروں کو بے محابا رُلا دیتا ہے،
خود کرتا نہیں مگر کرے کی ایک آسمان تک پہنچنے والی سطحی چیخ پکار پیدا کر دیتا ہے،
روتا ہے مگر دل میں ہنستا جاتا ہے، ہنستا ہے مگر دل کے اندر ہنستا اور روکھا پن جو
ہے نہیں بلکہ اکثر اوقات شاعر کا بہترین عشقیہ شعر اُس وقت صفحہ قرطاس پر نمودار
ہوا ہے جب فی الجملہ اُس کو عشق و تغزل سے کچھ سروکار نہیں رہا تھا، بہترین نوحہ اُس
وقت نکلا ہے جب دل صحیح معنوں میں بے حس ہو گیا تھا۔ عمل کا اثر انسان کی نفسیات
پر طبعاً اور جبلتاً اِس قدر تخیل کش اور شعر رُبا واقع ہوا ہے کہ اُس کر لینے کے بعد کہنے کی
گنجائش قطعاً نہیں رہتی۔ جس طرح کسی خاوند سے اپنی نکاح کردہ بیوی کے عشق میں
غزل لکھوانی محال ہے اسی طرح عمل کے بعد شعر بھی اصالتاً مفقود ہو جاتا ہے، اور جس
طرح غزل کے ذریعے سے ایک ناکتخدا کا دلہن پر قابو پانا بالبداہت محال ہے اسی طرح شاعر
کا عامل بن جانا یا اپنے شعر کے ذریعے سے کسی قوم کو عامل بنا دینا امر بعید ہے۔ پس
عمل کے بعد تخیل اور علم کے بعد عالم باعمل کا کسی قوم میں رہنا ازبس متعذر ہے، اور جو
اُمت اپنے اندر شاعر پیدا کر کے یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ علم و عمل کے معراج پر پہنچ رہی ہے

سعی و عمل کے فلک الافلاک تک پونہچ گئی! علم اور شعر کی باہمی مخالفت ہر اُمت کی تاریخ مدّوجزر میں ہر وقت اِس قدر مکمل اور غیر متزلزل رہی ہے کہ جہاں **علم** ترقی کرتا گیا ہے وہاں **شعر** کی کچھ دال نہیں گلی، اور جہاں **شعر** حاوی ہو گیا ہے وہاں **علم** سے کچھ سروکار نہیں رہا!

یہ سب اِس وجہ سے کہ صحیح معنوں میں شاعر جہاں کہیں پیدا ہوا ہے بے علم و بے عمل پیدا ہوا ہے۔ وہ **بے علم** اسلیئے ہے کہ علم شعر کے لباس کو قطعًا قبول نہیں کر سکتا۔ جو شئے فی الحقیقت علم ہے وہ شعر قطعًا نہیں خواہ اسکی عبارت موزوں ہی کیوں نہ ہو گئی ہو، اور جو شئے فی الحقیقت شعر ہے اُسکے اندر علم کا ہونا از بس محال ہے۔ وہ **بے عمل** اِس لیئے ہے کہ اس دنیا میں عمل علم اور صرف علم سے پیدا ہوتا ہے، اور شعر ہر وقت اور ہر نوع عمل کا قطعی مخالف رہا ہے۔ شاعر قوم کے عام انحطاط کی صرف ایک زندہ تصویر ہے، وہ اُسکی واماندگیوں کا ایک قوی اور مقامی مجسمہ ہے، اسکے جذبات کے ہبوط کا سچا ترجمان، اسکی آہوں اور کراہوں کا مضراب ساز، اسکی بیہوشیوں اور غفلتوں کا جہاں نما جام، اسکی لاطائل حسرتوں کا سچّا مورّخ، اسکی سعی بیجا کا صحیح مخبر، اسکی شہوات اور لذات کا طبل پرہنگام، اسکی تعلّیانہ خودنمائیوں کا عکس آئینہ اور اسکی سلب شدہ عظمت کا سچّا نوحہ گر ہے۔ وہ آپ اپنے زمانے کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے، جس بگڑے ڈھنگ میں اُمت ہو اسکو فورًا قبول کر لیتا ہے، جو آہ، جو ارمان، جو چیخ، جو قہقہہ جس کار فرمائی حسن ناکارہ پن میں قوم گرفتار ہو، اُسی کو اختیار کر لیتا ہے اور اُسی ماحول کی

ہر نوع منتشر، کلام میں مختصر تحریریں مجمل بلکہ بسا اوقات مہمل اور معلق، تقریریں
سادہ اور کم گو، اور خیالات کے اظہار میں شعر و مصاحب کے اعتبار سے پریشان اور
بے ربط نظر آتا ہے۔ علم کا تبحر، عمل کا اضطراب اور حقائق کا ہجوم اُسکو اس امر کی
فرصت نہیں لینے دیتے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر کے اندر شاعرانہ دل آویزی یا دل فریبانہ
موزونیت پیدا کرے۔ وہ جو کہتا ہے کر دیتا ہے اور کئے جاتا ہے اور ایسی کر دینے اور
کئے جانے کے اندر اُسکے کہنے کے اثر کا راز مضمر ہے۔ لوگ اسکی سادہ و بے تکلیف داری
کو دیکھ کر آپ تکلیف اُٹھانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور چونکہ وہ خود ایک مرد
بے مزد ہے، لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ کی شان رکھتا ہے، کسی مادی دام کا محتاج
نہیں بلکہ اسکے بے مزد عمل سے کسی خاص جود اور منعم شئی سے ساتھ ملازم ہونے کی گواہی
دے رہا ہے، شاہد عادل ہے، جو دل مردہ اور بے اجر مکلف ہو۔ شاعر کی واہ واہ
کے بالمقابل کڑیاں جھیلنا جانتا ہے۔ اسلئے لوگ اس شہادت کو پا کر اس سے پیوستہ
ہو جاتے ہیں، پروانہ وار سب طرف سے اکٹھے ہو کر اُس شمع سوز و گداز پر اپنی جان
قربان کر دیتے ہیں، یہی قومی زندگی کی سچی علامت اور عروج کا سچا منظر ہے، شاعر
اور نبی میں فرق صرف نوع اور جنس ہی کا فرق نہیں، فرش اور عرش کا فرق ہے، زمین
آسمان کا فرق ہے، جماد اور انسان کا فرق ہے، وہاں تحسین و آفرین کی لذت
حرکت دے رہی ہے، یہاں تکلیف اور مخالفت سے عشق ہے، وہاں آرام یا فی کا شوق
زبان پر ترنم پیدا کر رہا ہے، یہاں کڑیاں جھیلنے کی مردانگی میں ہر جھول رہی ہے وہاں

اُسکے فہم و ادراک کا جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ اُمّت کے افراد پر شاعر کے کردار کا اثر کی
مثال یا شاعر کے وجود پر اُسکے اپنے کہے ہوئے شعر کے اثر کی مثال بعینہ ایک رقّاصہ کی
ہے جو چند لمحوں کے لئے اپنے ناظرین کو دم بخود تو کر دیتی ہے مگر پھر رقّاصہ ہی کی طرح
بے قدر ہے، یا ناچتی ہے تو دوسروں کی دل لگی کے لئے ناچتی ہے مگر اُسکے اپنے دل
کے اندر اُس رقص کی خواہش اصلاً موجود نہیں۔ شاعر بھی اسیطرح سے ابن الوقت ہے
لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کچھ کہہ دیتا ہے، جو کہتا ہے اُنہی کے دل لگتی بات کہتا ہے
جذبات کو سطحی طور پر بھڑکا کر غفلت پر غفلت کا ترنّم پیدا کر دیتا ہے، سوتوں کو اور
سُلانے کی فکر میں ہے، اگیوں سے جگانے کا بہانہ کرتا ہے، یا مدّاح قوم کو مدکاری
کا لقمہ دیتا ہے، یا پیار سے مار کا کام نکالنا چاہتا ہے لیکن علم و عمل کی راہوں پر گامزن
ہو کر دلوں میں انقلاب پیدا کر دینا اُس کا کام اصلاً نہیں!

عالم با عمل یا نبیؐ برخلاف اسکے جب ظاہر ہوا ہے اپنے زمانے کی سمت تخیل
اور رَو کے خلاف ظاہر ہوا ہے۔ وہ اپنے ساتھ علم و خبر لاتا ہے، قوم کی بیماریوں کی
اٹل اور حکمی دوا لاتا ہے، قانونِ خدا کا ایک جزو مہتم لاتا ہے، اُمّت کو آسمان تک
اُٹھا دینے کا بیڑہ لاتا ہے، پوری قوم سے دشمنی مول لینے کا ساماں لاتا ہے، غلط تخیل
اور غفلت کی عظیم الشان عمارت کو ڈھا دینے کا کدال لاتا ہے، مخالفت سے پرواہی
اور قوم کی بہتری کا سچا درد اُس میں ہر وقت موجود ہے، وہ اکثر کسی صحیح یا دلچسپ تصنیف کا
مصنّف نہیں ہوتا، کسی شستہ تحریر یا مقرّر ہونے کا شوق نہیں رکھتا، لسانی اور جیرت مالی

دلیاں سب طرف سے گھر کر سب ان کی ظلمتیں پیدا کر رہی تھیں سعدی و حافظ کو
تھا مگر قوم کے عام انحطاط کی تاریخ اسکے ہر لفظ سے نمایاں ہے حافظ تغزل پسند تھا
مگر تغزل کے پردے میں موحد گر تھا اور ہر غزل اس امر کی دلیل ہے کہ امت اپنا
اکثر علم و اخلاق کھو چکی تھی۔ شکسپیر کی تصانیف سے اسکے اپنے عہد کے اخلاقی
انحطاط کا مکمل مرقع تیار ہو سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان عجیب تباہیات میں
پڑا تھا۔ ہومر رزم نویس تھا مگر اُس وقت جبکہ قوم اپنی رزمی خصوصیات کو اکثر خیرباد
کہہ چکی تھی۔ غالب کی تمام شاعری فخریہ ہے مگر اُس کا فطری ہونا ہی اس امر کی
شہادت ہے کہ قوم کے اندر کوئی مستقل ہیجان، کوئی ہاتھ پاؤں کا عمل موجود نہ رہا تھا
سب کچھ [illegible] تلوار چھوڑ کر شاعری قبول کر لی تھی۔ امرؤ القیس کے زمانے
کی تاریخ [illegible] ہے، صرف شجاعت کی لن ترانیاں اس عہد کے اشعار میں کہیں کہیں
باقی ہیں [illegible] جس قدر شاعر کے زمانہ کی طرف نظر دوڑائی جاتی ہے، حسد اور
عصبیاں، [illegible] اور قساوت قلب کا سماں موجود نظر آتا ہے۔ اس میں شک
نہیں کہ شاعر اور عالم کا عہد پیدائش [illegible] رہا ہے، تب جب کوئی قوم ظلمت
کے قعر عمیق تک پہنچ چکی، کوئی نہ کوئی صاحب علم شخص بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا
کوئی ہی ثبوت [illegible] کسی حقیقت سے [illegible] رہنمائی کر دی۔ شاعر کے تیر
کے ساتھ ساتھ عالم کا ظہور بھی ہوا [illegible] کی [illegible]
شکسپیر [illegible] امرؤ القیس [illegible] آفتاب رسالت کا طلوع

قول بے معنی ہے، یہاں بے عمل ہے، وہاں گفتگو کا سلیقہ نہیں رہا اور عمل بے منطق
اور بے ثمر، وہ قوم الفاظ اور علامتوں سے کچھ قربان کر رہا ہے، یہاں ایک سلب الحس کی
وجہ سے اعضا کو حرکت دینے کی سی ہے۔ عالم ادب میں ملاحظہ اسی ہی حس سے ہیں آج کے
مابین صرف درجہ اور مقدار، صرف درجہ، مقدار اور استعداد عمل کا فرق ہے۔ عالم بالکل
ممکن ہے کہ اپنے اندر موت کا سا جمود رکھتا ہو، ہو کی تیار عظیم کا ایک جز لا یتجزیٰ
اس کے مرزل الارض عمل کا ایک جزو حقیر اپنے میں بطور وراثت کے پا رہا ہو مگر شاعر کو
علم و خبر سے قطعاً کچھ واسطہ نہیں جس قوم کے اندر وہ پیدا ہو گیا ہے اُس قوم کے
علم میں کسر رونما ہو چکی ہے۔ اعضا میں انحطاط، خیال میں اضمحلال، نفس العین کی
شکست، اور ان پر طوائف الملوکی، نظم و نسق میں شکست اس اُمت کے اندر جاگزیں
ہو چکی ہیں ۔ ناممکن کوئی قوم صاحب علم ہے شاعر کو بہر حال پیدا نہیں کر سکتی
جہاں شاعر کے پھولنے پھلنے کا مواد تیار ہو چکا ہے، وہاں اُس زمین کے اندر علم کے
سر اٹھانے اور نشو و نما کی استعداد باقی نہیں رہی۔ ان لوگوں سے شاعر کو جس کا
حاصل کرنا ہے انہوں نے حق کی ماہیت کو قطعاً نہیں سمجھا ہے بلکہ خود بے علم ہونے
کی وجہ سے علم کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکے۔

سعدی، حافظ، ہومر، شکسپیر، غالب، امرؤ القیس سب ازمنۂ انحطاط یا جاہلیت
کے شاعر تھے۔ یہ سب اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب قوم علم و عمل کے مرحلوں
سے گزر کر تنزل و انحطاط کے حدود میں غرق تھی، یا اس وقت ظاہر ہوئے تھے کہ جہالت کی

علاوہ اُمت کے یہ تسلیم ہے کہ پیدائش مہلکات میں شعر کا پیدا کیا ہوا نقصان ہر شخص
کی رگ رگ میں ملالت اور تساہل بھر دیتا ہے۔ جس قوم میں اسکا عمل ہو جاتا ہے
[illegible] بے حد اثر [illegible] اسکے لیے کسی مستقل [illegible] العیش کا
ہونا چہکارا [illegible] دشوار ہے اعلیٰ شعر کی مقبول محفلوں میں جیسا کہ اُمت کا امرا اور
بے فکر ہونا قطعی ہے۔ اسکے نتیجہ تو یہ ہے کہ امراء و درباریاں، عورتوں کے مضمون
حسن و عشق کے افکار اسکے سبب علاوہ کذب و دروغ سے [illegible] بے حاصل کی
[illegible] اور گمراہیں، [illegible] ارمان اس قوم کا شعار بن جاتے ہیں۔
[illegible]
[illegible]

ظہور اسلام سے پہلے اہل عرب کی حالت تمدن کے طور پر مشہور ہے اخلاقی
انحطاط یکسر [illegible] ہو گیا تھا، جہاں تک [illegible] رائل ہو چکی ہیں، [illegible] سلطنت [illegible]
[illegible] رہی تھی، مگر شعر اوج کمال پر تھا۔ لوگ [illegible] رزم اور بزم میں بلکہ عالم
اسباب میں شعر سے قائل کر دیتے۔ عکاظ کا بازار لگتا تو ملک کے ہر گوشے سے قبیلوں کے
[illegible] شعر کا [illegible] ایک [illegible]
[illegible] عہد کو جاہلیت [illegible]
[illegible]
[illegible]

ہوا، مگر ایک ہی فن میں ایک جماعت کے اندر یہ فرق نہیں ملتا، اکثر اس کی وجہ سے ہوتا رہا
ہے کہ ان دونوں طبقوں کے مشاہیر کا لگاؤ جاہلیت کے زمانے سے طبعی ہے۔ شاعر
اگر اس زمانے کی ظلمت کا آغوش پروردہ ہے اگر بہار اس جاتا ہے تو عالم اس شب
دیجور کا مطلع مقصود ہو کر جھک اٹھتا ہے۔ لوگ غلطی سے ان کے درمیان مشابہت
یا مماثلت پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر دراصل ان کی باہمی مخالفت آگ اور پانی
رات اور دن، اندھیرے اور اجالے کے تضاد سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔

لیکن قومی اخلاق کی سب سے پست منزل اجتماعی انحطاط کا وہ دردانگیز منظر
ہے جب کہ افراد سے گذر کر پوری امت شعر کہنے کے مرض میں گرفتار ہو جاتی ہے۔
ہر گھر، محلے اور شہر میں شعر کے موسمی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں جو تنفس
قافیہ پیمائی اور لغو رانی کا مجسم پیکر بن کر قومی علم ادب کو سنگ و سفال سے زیادہ
بے وقعت کر دیتا ہے۔ وہ علم ادب جس کے الفاظ کی جھلک میں، جسکے تخیل کی ساخت
اور حسن ادا کے اسالیب میں بسا اوقات قومی اخلاق کی تصویر ہو بہو نظر آتی ہے،
ناشناس کا تختۂ مشق بن بن کر اور نااہل کے ہاتھوں پستمال ہو ہو کر سوقیانہ بلکہ
سفیہانہ رنگ لے لیتا ہے، پھر وہ رہی سہی عصبیت بھی جو افراد کے دل میں
زبان کی عالی خیالی اور خیالات کے سمو کی وجہ سے جاگزیں ہوتی ہے، مٹ جاتی
ہے، اور اس قوم کی پیشانی سے اس کے ذاتی تشخص کا آخری امتیازی نشان مٹ
جاتا ہے۔ شعر و سخن کی یہ جمہوری حکومت ذوق سلیم کے لیے زہر قاتل ہونے کے

جہالت اور بے حسی کی پیدا کی ہوئی، اصحاب علم و عمل سمجھ نہ پائے کہ کب تک ساتھ دیں، اسی شعر کو
قرآن نے صاف اعلان کردیا کہ شعر فی الحقیقت ایک بے کار پیشہ ہے، اسی بنا پر شعر پڑھنا یا
عمل قوم کے لئے بڑی سے بڑی گمراہی ہے، جو لوگ شاعر کے پیچھے لگے ہیں، اُسکے شعر کو
سن کر تحسین اور مرحبا کہتے ہیں، اُسکی لطف اندوزی سے متاثر ہوتے ہیں، اُسکو مددگاری کے
کس مرحلے میں اپنا سچا خیال کرتے ہیں، وہ اصل میں خود راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں
(وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ) یہ اسلئے کہ شاعر کا اصول یا ہے کوئی مستقل نصب العین
نہیں، اُسکے پیش نظر کوئی صحیح مطمح نظر نہیں، فن راست کا ہے اور الفاظ کا سیلاب اُسکو
بہا لے جاتا ہے، فکر و خیال کی ناپید وادیوں میں چلا جاتا ہے، اسلئے کہا گیا ہے (أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ
فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ) ، وہ ادھر ادھر کوئی بھی جدھر منہ اٹھاتے ہیں چل پڑتے ہیں
اور چلے جاتے ہیں، علم جس کا صحیح یا بیان کا ایسا ونہا ہے، قوم کے سامنے ایک حقیقت
پیش کرتے اسکو مجبور عمل اور آمادہ کار کر دیتا ہے، آن میں تمام تکے میں اس سے بڑھکر
یہ کہ وہ ایک بے عمل شخص ہے، جو کہتا ہے کرتا نہیں اور جو کرتا ہے اسکو چھپانے کی سعی کیا
ہے، محبوب کی طرح ٹرخاتا ہے اور اُسی طرز میں اپنے کاغذی گھوڑے دوڑاتے جاتا ہے
(وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ) سعی عمل اور صبر آزما خدا کے نزدیک بڑے سے
بڑا گناہ یہی ہے کہ جو کہو اسکو نہ کر دکھاؤ، دل اور زبان ایک نہ ہوں، قول کی اندر سے
عمل سے تصدیق نہ ہو، خدا کو جو نگراں اعمال ہے دھوکا دیا جائے، خلق خدا کو دھوکا ہو

مہمان نوازی اکثر لفظوں اور شخصوں میں باقی رہ گئیں۔ نفاق اور تنگ دلی، کینوں
اور رنجشوں نے افراد کو سب طرف سے گھیر لیا، ذہنوں میں ویرانیاں اور حوصلوں
میں نامردیاں گھر کر گئیں۔ یہی انحطاط کافی حقیقت ہے وہ ورک اصل تھا کہ اگر چند دیر
اور یہی حال رہتا تو قیصر و کسریٰ کے دیوان آج عرب پر تبر ہو چکے تھے۔ اس عالم جمود
اور عصیان کی حالت میں نبی آخر الزمان کا ظہور ہوا۔ اس اولوالعزم نبی
کی نگاہیں اس کارگاہ سعی و عمل کے قانون موت و حیات کی آخری حد تک پہنچ چکی
تھیں۔ خدا کا انسان سے معاملے کا راز کھل چکا تھا، عمل سے تحیر اور عجز، تکبر سے
تدلی اور تقرب اور تقرب سے علم و عمل کے مرحلے طے ہو چکے تھے۔ یہ بات دن اور رات
چاند کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ اس کارخانہ عیب اور ہست ان کائنات کے اندر اعمال
انا کا سہارا کیا ہے، وہ کیا آئین اور کیا صراط مستقیم ہے جس پر چل کر اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ
کا انعام ہے، جن کو پا کر انسان کیسے نہال ہو جاتی ہیں، خوشنودی خدا کے سیاس نامے
و سلامت کی مانند برسنے لگتے ہیں، ’’لَا خَوۡفٌ‘‘ و ’’لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ‘‘ کی بشارت مل جاتی ہے،
آسمان کے دروازے جو ہمیشہ کھل جاتے ہیں۔ اسی پیغمبر اعظم نے ’’ثُمَّ دَنَا‘‘ عمل لایا اور علم
عمل کی آخری دستاویز لیکر آیا، ’’لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ‘‘ کا پیش نہاد لایا۔ دنیا میں

ف سورۂ والنجم میں اس عظیم الشان رتبہ کے بارے میں ہے: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ
اسے انتہائی طاقتور نے سکھایا ہے جو زبردست قوتوں کا مالک ہے، اس کو آسمان کے افق پر لے گیا، پھر وہ (یعنی رسول) اس سے قریب ہوا اور اتنے ساتھیوں کی طرح حاضری کی اور اتنے قریب ہو گئے کہ جیسے دو کمانوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا۔

سب کچھ اس نیک سیرت نبیؐ کے اتباع میں قربان کر رہے ہیں اسلئے انکا سوء ظن
اسی طرف راجع ہوا کہ قرآن بھی شعر ہے، کیونکہ مقفّٰی ہے، سجع کے لگ بھگ ہے، اسکے
بیان میں زور ہے، لطافت اور اثر ہے، مرجع خلق ہو رہا ہے، وہ یہی سمجھے کہ محمد (صلعم)
بھی ایک زور آور خطیب ہے، قافیہ پیما اور شاعر ہے، عمرؓ اور ابوبکرؓ اس کی خوش الحانی
اور اسکے لائے ہوئے قرآن کی آذی فصاحت پر ہی مرمٹے ہیں، اسکے الفاظ و صنائع
بدائع کو، اسکے استعاروں اور چست بندشوں کو دیکھکر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اسکی لطافت ہی
ہماری حقیقی دشمن ہے، ہماری شاعری کا مقابلہ کرکے ہم کو مات کر رہی ہے، ہمکو کافر
کہہ رہی، خدا کی دھمکیاں دے رہی ہے، جہنم کی آگ دکھلا رہی ہے، وغیرہ وغیرہ
ایک عرب سے اور بے علم قوم کی طرف سے ایک ایسی سرزمین میں جہاں ماسوا شاعر کے
کوئی اور مقتدر شخص کبھی پیدا نہ ہوا تھا، رسول خدا کے بارے میں یہ سب بدگمانی طبعی
تھی مگر قرآن حالانکہ ہر اس تہمت کا کب متحمل ہو سکتا تھا اس نے اعلان کر دیا
کہ یہ اولوالعزم نبیؐ اور جو کچھ ہو سو ہو مگر شاعر قطعاً نہیں، اسکے شایان شان ہرگز
نہیں کہ شعر کہتا پھرے، وہ تو ایک حیرت انگیز قانون لایا ہے، فاطر زمین و آسمان کے
پاس سے اسکے [illegible] علم[1] لایا ہے، علم کو شعر سے کچھ مناسبت
نہیں اور یہ سر سر علم [illegible] کو حاصل کر سکتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ

[1] کلام الٰہی کو قرآن میں جا بجا علم کہا گیا ہے مثلاً لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ وغیرہ وغیرہ۔

وغیرہ وغیرہ (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ)۔ یہ وہ تعلیم تھی جو
اُس جلیل القدر ہستی نے عرب کو دی۔ اہلِ عرب نے اسکو صحیح اور بیش قیمت سمجھکر قبول کرلیا،
اُن کے دلوں کی سنگلاخ زمینیں جو رحمت ایزدی اور سحابِ صحبت نبوی کے نرم نرم
ترشح سے قرنوں کے بعد نرم ہوچکی تھیں اس آبِ زلال کو جذب کرتی گئیں۔ اس کا اثر
چند برسوں کے اندر اندر یہ ہوا کہ عرب کی سرزمین میں شعر قطعاً مٹ گیا، نابغہ، زہیر،
طرفہ وغیرہ وغیرہ کی سب الن ترانیاں ایسی محو ہوگئیں کہ برسوں اور قرنوں تک سرزمین
کوئی سخنور شاعر پیدا نہ کرسکی، "معلقات" کے شعراء جنکی جاہلیت کے زمانے میں
خاص عظمت تھی، لوگ بسوق عکاظ میں جمع ہوتے تھے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے
تو اُن قصائد کو بیٹھ کر پڑھتے، اُن کے آگے ماتھا رگڑتے، منتیں مانتے سجدے کرتے
اُن کے مصنفوں کو اپنا سچا رہنما مانتے، مگر قرآن حکیم کی شرک ربا ادا اور ظلمت ربا تعلیم
نے معلقات پرستی کو جڑ سے اکھیڑ دیا، لات و منات کے ساتھ ساتھ شاعری کا
بت بھی ایک مدت مدید کے لیئے ٹوٹ گیا جہاں جہاں کوئی قافیہ سنج تھا اُسکی کچھ قدر
و منزلت نہ رہی۔ ہجا گوئی کا دم ختم، خود ستائی کے نخرے، قبائل کو آپس میں لڑوانے
کی ایجاد، الغرض کوئی مابہ الامتیاز شاعر اور غیر شاعر میں باقی نہ رہا کیونکہ پہلے
میں جو کہ شعر و فصاحت کا خیال غالب تھا، اور علاوہ ازیں اسلام کا علم بھی پیدا
کیا ہوا تھا کہ ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، وہ یہ سمجھ سکتے تھے کہ لوگ آنحضرت صلعم کے
گرد کیوں جمع ہو رہے ہیں، یہ صحابیوں کے جمِ غفیر چند نفر کیونکر پار لگا سکیں گے اپنا

[illegible] تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ)۔ قرآن نے سرِ عام اعلان کر دیا کہ انسان،
اس بے مثال کلام کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ روئے زمین کے جن و انس[1]، اسکے اکابر
اور اصاغر، اسکے عامۃ الناس اور خواص اسکی کیا ریس کر سکیں گے، اسکا مثیل کہاں
سے لائیں گے۔ اگر تم اسکے الفاظ کا، اسکی بندشوں کا، اسکے قوافی اور استعاروں کا ایک
سطحی سا مقابلہ کر بھی سکو، کسی نالہ یا بحر کو ملا کر اسکے ادب کا ایک ڈھانچا سا بنا بھی کر لو
مگر اس کا علم کہاں سے لے آؤ گے، اسکی نبوت اور خبر کہاں سے ڈھونڈو گے، یہ
اس بے مثال خدا کا کلام ہے جسکے ہم پلہ کوئی شے نہیں، جس کی برابری کا کسی کو دعویٰ
نہیں، جانتے رہو کہ یہ خدا کے علم کو ساتھ لیکر اترا ہے اور علم کا دعویٰ [illegible]
سمیع و بصیر ہی ہو سکتا ہے (فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اگر اور
کچھ نہیں تو اس جیسی دس سورتیں ہی لے آؤ، پھر جب نہ لا سکو گے تو ہم بھی تمہیں داد
دینگے، ورنہ اسکے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔ (اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ
مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
[illegible]

---

(۱) [illegible] قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ [illegible]

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ۙ) اس علم جلیل کا منشا یہ مطلوب ہے کہ جس میں کچھ
اثر، کوئی حس، کوئی زندگی کی علامت، کوئی محرک یا نمو کا عنوان باقی رہ گیا ہے، اُسکو
اس عالم آرائے زمین و آسمان کے کپکپا دینے والے قانون بقا و فنا سے آگاہ کر دے
یا اگر وہ اس سے گریز کریں تو منکرین کے لیے اتمام حجت ہو (لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ
حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝) قرآن کی بادی النظر میں یہ عبارت آرائی
بازور بیاں نہ شعر ہے نہ اس سے شاعرانہ واہ واہ مقصود ہے۔ ایسے بوسیدہ ایمان یا نکار
اعتقاد کی کسی کو کچھ ضرورت نہیں۔ ضرورت اُس یقین کی ہے جو اس عمل پیدا کرے جس سے
حرکت حاصل ہو، دل یکسر کپکپا اٹھیں، اُن کی سنگلاخ زمینیں نرم ہو جائیں، اعضا
میں حرکت ہونے لگے، تکلیف برداری اور مشقت کی تیاری ظاہر ہو، یہ کسی جادوگر یا کاہن
کا کلام تو ہے نہیں کہ چکنی چپڑی باتوں سے محض لبھاوٹ منظور ہو، یہ پہاڑ، زمین، آسمان کے
خالق کا کلام ہے، بادشاہوں کے بادشاہ کا قول ہے، کلام ملک الملک ہے۔
وہ العیاذ باللہ کوئی شاعر نہیں کہ تمہارے لغو ران امرء القیس اور نابغہ کے بالمقابل
شاعری کے اکھاڑے بنا تا پھرے، تمہاری ضلع بدائع تمہاری اسی اختراع کی ہوئی
خبیث بندشوں اور ادنی ترکیبوں کا تتبع کرے، بادشاہ کا کلام صریح مستغنا
ہے، لیکن یہاں صنعت ڈھونڈنے سے تو سروکار ہی نہیں جس سے تتبع کی ضرورت ہو۔
ان حکموں کی تعمیل ہے، امتثال امر ہے، اسی ایمان یقین ہے، اسی سے تذکیر
اعتبار ہے۔ (وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِیْلًا مَّا

(أَهْدىٰ مِنْهُمَا)۔ شعر میں یہ باتیں ہو نہیں سکتی تھیں۔ جس شئے کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی فصاحت ہو، اسمیں ان خاصیتوں کا پیدا ہونا محال ہے۔ اگر اسکے مثل کے پیدا ہونے کا دعوے تھا تو اسی ہدایت اور رہنمائی میں تھا، اجتماعی تمکن اور قوت کی راہ دکھلانے میں تھا، علم اور امن کی بشارت دینے میں تھا، سعی و عمل سے کمزور آل پیدا کرنے میں تھا، قوم کو ماسوا کی آلائش سے پاک کرکے ساتھیں جمع کر رکھنے میں تھا، دوام اور دوام کی طرف اشارہ کرنے میں تھا (إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ)۔ صحیح ہے کہ لعہ اور پیغمبر ادعا قرآن نے حتّٰی کسی جگہ نہیں کہا ہے بلکہ فصاحت کا لفظ بھی سوا ایک موقع کے جو حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون (علیہما السلام) کے بارے میں استعمال کیا ہے (هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا) قرآن کے طول و عرض میں کہیں موجود نہیں۔ یہ باعث تھے جنکی بنا پر عرب کے ادراک، اقل قلیل مدت میں سر سبز ہو گیا، نسیان و جمود کی جگہ علم و عمل نے لے لی، تمام قوم کی قوم ترقی اور خدمی خواہی کو چھوڑ کر بیدار ہو گئی، تلوار ہاتھ میں لیکر زمین خدا پر ڈاکہ مارنے کے فکر میں لگ گئی! رسول خدا صلعم کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر چھتیس ہزار شہر اور قلعے سر کر لیے، چار ہزار بت خانوں کلیساؤں اور ہیکلوں کو ویران کیا، صدہا معبدوں کو مساجد میں تبدیل کر دیا، قیصر و کسریٰ دست بستہ غلام بن گئے، فراعنہ مصر کی کھوپڑیوں پر گھوڑے دوڑائے گئے، بابل کے سلاطین عرب و اقوام کے تخت ہلنے لگے! اگر قرآن کا مثل پیدا کرنا محال ہے تو اس ہدایت

۱ عرب کے ایک عیسائی مؤرخ جرجی زیدان نے لکھا ہے۔

حاصل اس حرف نبوت سے نظیر لے آؤ، اور اگر نہیں کر سکتے اور یاد رکھو کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو آج ہی سے اس ابدی اور اخروی جہنم کی آگ سے ڈرتے رہو جو اس قرآن عظیم کے علم کو علم نہ سمجھنے والوں، اسکے امر اور احکام پر تمہی سے عمل نہ کرنے والوں، اسکی باتوں کو جھوٹ جاننے والوں، اُن سے مکروہات سے گریز کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھی ہے اور جس سے ہر کامل قوم اور فرد کا واسطہ پڑنا اٹل ہے۔ وَ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝

الغرض قرآن حکیم شعر سے برگزیدہ تھا، شاعرانہ فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ اسکو تو شعر سمجھے جانے سے اسکو چڑ تھی، شاعروں کا دشمن تھا، اُن کو تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا الزام دیکر گناہ کبیرہ کا مرتکب کہتا تھا، لفظوں کی خوب صورتی یا چست مضمون بندی سے اسکو کچھ سروکار نہ تھا، یہ اسلئے کہ وہ علم تھا، حکمت تھا (تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ) ہدایت اور رحمت تھا (وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ)، نور تھا (قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ)، موعظت کی آخری ستارہ اور سچی شفا تھا (يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ) بلکہ بصائر تھا (هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ)، سر تا سر بشارت تھا (هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ)، سرچشمہ ہدایت تھا (قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ

کرائیں۔ یہ تو برتو قصیدے پڑھے جاتے، لبوں ابوسفیان اور ابوجہل کے پیچھے لگے
جو عام لسان کے شاعر بالسان نہ تھے اور جنہوں نے اپنی مدت عمر میں ایک شعر بھی کبھی
نہ کہا تھا کیوں مسیلمہ کذاب کی قیادت قبول کرلی جسکے شاعر ہونے کا معتقد کوئی
شخص بھولے سے بھی نہ تھا۔ آج اس سرزمین ہند میں باوجودیکہ میرزا غالب نے کبھی
دعویٰ نہیں کیا تھا کہ اُنکا شعر بےمثال ہے مگر اپنے زعم میں اُنکے رنگ کو نباہنے والے
نقال اسقدر پیدا ہو گئے ہیں کہ ہر تُک بند اور قافیہ پیما اپنے آپ کو غالب کا ہمسر خیال
کرتا ہے، روز بروز ایک دو یا زیادہ غزلیں اُسکے رنگ میں اخبارات کی پیشانیوں کو زینت
دیتی ہیں۔ اور ہر شخص اپنے گمان میں غالب کا جانشین بنا بیٹھا ہے۔ اگر قرآن حکیم نے
تمام عرب کو اُسی طرح کہا تھا، شاعروں کو مقابلے کے لئے بلایا تھا، چست بندشوں
اور محل الفاظ کے استعمال پر تمام جھگڑا اٹھا تو کیا یہ ممکن تھا کہ سارا عرب گنگ ہو جاتا
کسی دشمن کے منہ سے مقابلے کی ایک سورۃ، ایک جملہ، ایک لٹک نہ نکل سکتا۔
عالم تو یہی تھا کہ ایمان لانے سے پیشتر دور دراز سے لوگ جوق در جوق آتے، ہر شخص
حسب مقدور اپنے طبعزاد کلام کا کوئی نمونہ کہے اور مدینے والوں کے سامنے پیش کرتا
تمام سورتیں یا قصیدے روز طلبی کے طور پر رسول خدا کی خدمت میں بھیجے
جاتے۔ پے در پے مناظرے اور مباحثے ہوتے، مسلمان اور کفار ایک میدان میں آکر

۱ آجکل [illegible] ایک [illegible] قرآن کے مقابلے میں لکھی ہیں [illegible] کہیں کہیں ملتی ہیں مگر مسیلمہ [illegible] شاعر مشہور [illegible] قرآن [illegible]

اور بشارتیں ہیں۔ یہ جو قرونِ اولیٰ کے عرب کو فوراً مل گئی تھی اور جو قیامت تک کسی
اور قوم کو قرآن پر عمل کرنیکے ماسوا اتفاقاً مل سکے گی۔ حال کے محاربۂ عظمیٰ میں جرمنی
باوجود اپنی بے مثال جمعیت اور آسمان پاش توپوں کے ایک سال میں تین ہزار شہر اور
قلعے تو کیا تین سو شہر اور قلعے بھی انگریزوں سے نہ چھین سکا، اور اگرچہ اسلاف مسلمین اس
قرآنی ہدایت کو پاکر اپنا فاتحانہ تقدم کئی سو برس تک جاری رکھ سکے اور کسی سے پیچھے
نہ ہوئے مگر قیصر کی مونچھوں پر تاؤ دینے والی فوج چار برس کے اندر اندر دُم دبا کر ایسی
بھاگی کہ آج اسکے قائد اعظم[1] اِدھر کسی اور فعل ہی سے اپنا پیٹ پال رہے ہیں! قرآن
کے علم و عمل کے بے مثال ہونے کی شہادت اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ دنیا ایک لاکھ
یا دس لاکھ برس تک اور قائم رہے اور سو یا دس ہزار جرمنی ایسی قومیں اور تین یا پانچ
تہذیبیں روئے زمین پر پیدا ہو جائیں لیکن قرآن کے سوا کسی اور دستور العمل سے اس
ہدایت کا پیدا ہونا محال ہے۔ اگر فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ سے قرآن کا مقصود بالذات
ادب اور فصاحت میں اپنی برتری جتلانا تھا، اور صدرِ اسلام کے ہمعصر کفارِ عرب
بھی اس تحدی کا یہی مطلب سمجھے تھے تو حیرت ہے کہ قرآن کے بالمقابل اسی انداز
پر اور اسکے رنگ میں دشمنوں نے کیوں ایک لاکھ نقلی قرآن اس گمان پر تیار نہ کر لیے
کہ ان میں سے دس نہیں تو ایک تو ہی مقابلے میں پورے اتر سکیں، کیوں نہ کافر
رسولِ خدا کے برخلاف تلواریں تیز کرنے کی بجائے کسی علقمہ یا زہیر کے پیچھے لگ گئے

---

[1] قیصر ولیم سابق شہنشاہ المانیہ اور اس کا بڑا بیٹا جو شاہی کے بارے میں ولیعہد ہے آجکل اس شغل میں مصروف ہیں۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ) یہ قرآن کا علم ہی تھا جس کی وجہ سے فَاْتُوْا
بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کی صلائے عام کے ہوتے ہوئے سب عرب دم بخود رہ گیا، کسی کو
کچھ بات کہنے کی سکت نہ رہی سب گونگے اور بہرے بن گئے عرب اگر اس عہد رسولؐ خدا کی
ہیر پھیر کر کے کتراتے تھے، اگرچہ اس اولوالعزم نبی سے ہم آہنگ ہونے سے جھجکتے
تھے تو اسکی وجہ یہی تھی کہ یہ عالم باعمل شفقت اور محبت کی طرف بلا رہا تھا، سعی و عمل کا وعظ
کرتا تھا، کڑیاں جھیلنے اور خون جگر پلا پلا کر قوم کو غالب کرنے کے درپے تھا، عمل وہ جمود کی
ظلمتوں سے نکال کر علم و عمل روشنیوں میں لا رہا تھا، (کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ)، عشرت کی تن آسانی
اور خواب استراحت سے ہٹا کر علم کی ذمہ داریوں اور جانبازیوں کی طرف رخ
پھیر رہا تھا، سرگشتۂ وہم و خیال کو دور کر کے خارستانِ حقیقت اور چمنستان علم کی
طرف دوڑا رہا تھا۔ ایک کاہل رو اور متفرق، ایک آسان پسند اور شاعر قوم کے لیے
اس وجہ کی بنا پر قرآن کے پیغام کا جواب یہ ہنگامہ جو طبعی تھا، وہ اس سے چڑ چڑ
اور کھسیانے ہو ہو جاتے، بہ کوچی بھر بھر کر کوستے، تمسخر اسپر حملے کرتے، اسپر [illegible]
[illegible] بولی اور جملے پھبکتے، اسکی بار بار کا سے کہا ہے (وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ
تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا)
دل کو مطمئن کرنے کے لئے کہتے کہ محمد (صلعم) تو (معاذ اللہ) ایک مجنون رہ ہے، پاگل ہے،
اسکا دل ہلکا ہیں، یہ سب باتیں حقیقت کے سرتاج، [illegible] اور سراپا کی [illegible]

شاعروں کے بیسیوں اکھاڑے بنائے، کچھ اُدھر سے کہا جاتا کچھ اِدھر سے، حتی آئی
کوئی مصنف یا ثالث نہیں لیے جاتے کہ کونسا کلام بہتر ہے، کونسا فصیح تر ہے، بڑے بڑے
اُدباء اور فصحاء کا ہجوم عنبر ہر وقت دار الندوہ میں جمع رہتا۔ تاریخ بتاتی ہے تو خدا کے
اختیار میں تھی مگر کافر اپنے دل کی بھڑاس تو نکال لیتے! غالب کے مشہور سہرے کے
ایک اوبالی مصرعے (ع دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا) نے تو ایک تا
شدہ ورق کو چند لمحوں کے اندر اندر اس بات پر آمادہ کر دیا کہ ایک برجستہ اور بھی اُس کے
سہرا مقابلے میں لکھا جائے، نہیں بلکہ اُس وقت سے آج تک ہزارہا شعرا نے سہرے اسی
رنگ و ردیف میں اُستاد غالب کی تقلید میں لکھ ڈالے ہیں، لیکن قرآن کی فصاحت کے
بالمقابل کسی معاصر شاعر، کسی ہمعصر مسلمان یا منافق عرب نے ایک حرف تک نہیں لکھا۔
صدرِ اسلام میں کسی کو اس کا ادبی مقابلہ کرنے کا گمان تک نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ
قرآن شعر نہیں تھا، نہ شعر ہونے کا انکو دعویٰ تھا، بلکہ منکرین عرب کو درپردہ اس
امر کا پورا احساس تھا کہ محمد (صلعم) فصاحت میں مقابلہ کرنے کے لئے نہیں ملتا، اگرچہ وہ آپ
ہی کو چڑانے اور تنگ کرنے کے لئے کہا کرتے تھے کہ وہ "شاعر ہے" (العیاذ باللہ)
پاگل ہے، اس نے چند پاگلوں کو اپنے گرد اپنے رو رسیاں سے جمع کر لیا ہے، اسکی
خبر شدہ مدت تک جیا ہوا ہے حتیٰ کہ بیہودہ ہے اور ہم تو اُس وقت کے منتظر
ہیں کہ اس کا تمام پاک ہو، اسکے سب تنکے چھانٹے تتر بتر ہو جائیں" (فَذَكِّرْ فَمَا
أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۔ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ)

کہتے، اساطیر کہنے سے مراد یہی تھی کہ ہم اس تکلیف دہ شے کی باتوں میں آنے والے
ہرگز نہیں ہیں۔ بہرحال ایک شاعر یا فصیح گو شخص سے اس قطع کی مخالفت ہو رہی
کی ہو نہیں سکتی تھی۔ اسکے خلاف تو یہی ہو سکتا تھا کہ قصب سے اور وہ اپنی کلام سنا
سنا کر اسکی شاعری کو مات کر دیا جائے۔ نہ یہ کہ تیغ تفنگ سے اس کا مقابلہ کیا جائے
ایسے شخص کے پیرو یا مداح ہی شعر پسند، شعر گو یا کم از کم لفظی واہ واہ کرنے والے
اصحاب ہی ہو سکتے تھے، مگر صحابہ کرام کی بالعموم اور حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کی بالخصوص
شعر سے بیزاری پر تاریخ شاہد ہے۔ وہ سب کے سب باعلم اور باعمل شخص تھے، انہوں
اور پیروں کا عمل کیا کرتے تھے، تدبیر اور سیاست میں بڑے ماہر، قانون خدا کے
بڑے علامے، بڑے سپہ سالار، بڑے مجاہد اور بڑے حاکم تھے۔ پہاڑوں کے
علم اور عزم کے آگے انہی کی طرح ہو جاتے تھے، بڑے بحران کی سخت نقد معرکے سا
جنگ باجھک سلام کرتے تھے دنیا کے بڑے سے بڑے حصے پر انہوں نے اپنی دھاک
اس رعب و وقار، اس نظم و نسق، اس ہمت اور حسن تدبیر سے حکومت کی کہ سطح زمین کو
ان کا مثل پیدا کرنے کے لیے بھی کئی آج صدیاں چاہئیں۔ شاعر یا شعر پسند شخص
اس خاص اور اس باقت کا آدمی نہیں ہوتا۔ وہ بیچارہ اپنے گھر کو بھی اچھی طرح حکومت
نہیں کر سکتا۔ احساس کی شدت، طبیعت میں سستی، آرام پسندی، کاہلی، سست عزم
اکثر ہوا کرتا ہے، اس سے تدبیر کی حکومت کیونکر ہو، وہاں کا سپہ سالاری کیسے
نبھے۔ یہاں تک یہ ایک نہایت صحیح خبر واقع ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد میں اشعر

چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالد ولیدؓ کی معزولی کا موجب یہ ہوا کہ انہوں نے ایک شاعر کو ہزار روپیہ انعام کے طور پر دے دیا تھا۔

و اتخذناہ فی الارض کے دل خوش کن سامان ، یہ سونے کے کنگن اور لباس حریر
سے کہ ... اسے پریشان حالات ہیں ، یہ نئی باتیں ہیں ، (بل قالوا اضغاث احلام
بل افتراہ بل ھو شاعر) ، اسی ... کی سند میں ... تنگ کر ... اور
... جاتا ہے ، اور دل کو ... ہے ، ... حقیقت ، بعض ...
آرام میں ... ڈالنا کسی ... کا کام نہیں ، ... حال ... میں ...
... بات نہیں (ام یقولون بہ جنۃ بل جاءھم بالحق واکثرھم للحق
کارھون) ... حق بات سے ... لگتی ہیں ... کر
... احکام الٰہی کی اہمیت کو تسلیم کر لیتے اور ان پر
عمل کرنے کی بجائے ... پیش ... اعتقاد ... ہیں ، اگر ہم چاہیں
تو ہم بھی ایسی ہی ... باتیں بنا لیں ، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو پرانے
لوگ ... آئے ہیں (واذا تتلیٰ علیھم آیاتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء
لقلنا مثل ھذا ان ھذا الا اساطیر الاولین) ، اساطیر الاولین سے قرآن کو
تشبیہ دینا ... اس امر کی ... دلیل ہے کہ مثل ھذا کے الفاظ سے اہل عرب
قرآن کا شعر و سخن میں ... پیدا کرنا مراد نہ لیتے تھے ، بلکہ ... کہا کرتے تھے کہ یہ احکام
جن پر عمل کرنے کے لئے ... جاتا ہے کوئی نئی بات نہیں یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں
جو ... سے لوگ کہتے چلے آئے ہیں ... التفات کرنا ہم لوگوں کا ...
... اساطیر الاولین

تَتَّبِعُهُمُ الْقُرآن" کہنے آیا، نہیں بلکہ ایک شاعر اور اجل زدہ قوم کو عالِم اور عامل بنانے آیا! جہانگیر اور جہانباں کرنے آیا! خدا کی بنائی ہوئی زمین کو باحد لوگوں کی تحویل میں پھر دینے آیا! جب تک قوم اُس قانون پر عامل رہی، اسکو الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سمجھ کر اپنے تن بدن کو ڈھالنے میں ڈالتی رہی، تب تک "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کا عہد الٰہی پورا ہوتا رہا۔ تب تک قرآن بھی صحیح معنوں میں علم رہا۔ لوگ اُسکی ہر آیت کو سچے دل سے سمجھ و سکتے رہے، اُس قانون کو پا کر حیرت زدہ رہے، اُس سے مستفید اور بہرہ یاب ہوتے رہے، ایک عالم کو حیران کرتے رہے، خدا جوش رہا، اُمّت نہال رہی، سر بفلک عمارتیں، سر سبز باغات، دولت، اتحاد، تکبیر کے نعرے، پاکیزگیٔ علم، حکم، نبوۃ، سب کچھ اس خیر الامم کے حصّے میں رہا۔ جب واقعۃً "اس لوگ اس پیغام الٰہی کے حامل بن گئے، جب رہنماؤں کی نیتیں بگڑ گئیں، چپقلش اور جھگڑوں میں حُسن آ گیا، طولِ امد سے دل سخت ہو گئے*، نکرے رسولؐ کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئے، خدا سے تجاہل کیا، علم نہ رہا، ذہنوں میں ویرانیاں اور دلوں میں ضلالتیں بھر گئیں، جب حکمِ خدا سے گریز کر کے آرام وہ نظر آیا، نہیں جب خدا کے خدا ہونے پر یقین نہ رہا اور دلوں کے اندر اولاد اور مال کے بُت، زر اور زمین کے بُت، پیر و کبیر کے بُت، اولیا و ابرار کے بُت، باجوں اور سکالوں کے بُت، گھوڑوں اور طویلوں کے بُت، غیر قوم کے حکّام کے بُت، خوف و یاس کے بُت، حالات

* قرآن میں ہے "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ"

مقتدر شاعر حلقۂ اسلام میں داخل ہو بیسے الگ تھلگ رہے۔ اُس وقت ٹھیک طور پر یاد نہیں مگر معلقات کے کم از کم ایک شاعر (زہیر ابن ابی سلمیٰ) نے عہد رسالت پایا تھا اور وہ آخر دم تک مسلمان نہ ہوا۔ قصیدہ بردہ کا بڈھا مصنف عین اُس وقت ایا ہدیہ مدح لے کر آیا جب دین اسلام غالب ہو چکا تھا اور شاعری کی موت سامنے نظر آرہی تھی شعر فہمی کا شائبہ (بلکہ بعض اوقات شعر گوئی کا سلیقہ) ہر جلیل القدر شخص میں کچھ کچھ ضرور ہوتا ہے، سرورِ عالم قصیدہ سے کو سُن کر مسکراوئے اور شاعر فتقہ کو اسلام کی طرف جذب کرنیکے لئے اپنی چادر انعام میں دے دی۔ صدر اسلام میں سے دیگر اگر کوئی شاعر مسلمان ہو کر چمکا تو وہ حسانؓ بن ثابت تھا۔ مگر اُن کا شعر زمانہ جاہلیت کے شعر سے بدرجہا کم پائے کا ہے۔ عہد رسالت میں اُن کا کام اکثر یہی رہا کہ دشمن کے رسول خدا کے برخلاف طعون کا بطور خود جواب دیا کریں۔ مگر آستانہ نبوت سے اُنکو اس امر کی کوئی تحریض نہ ہوتی تھی تاہم اسلام کی عملی خدمت اور ترقی میں اُن کا وہ حصہ ہرگز نہ تھا جو اور صحابہ کرام کو ودیعت ہوا تھا، بلکہ واقعہ افک کی تشہیر میں اُنکے شرمناک حصے نے تاریخی نقاد کی نظروں میں اُنکے حضرتؓ پر ایمان و یقین کی قدر و منزلت بہت کچھ کم کر دی ہے۔

الغرض قرآن آیا، اپنے ساتھ علم و نبوت لایا، 'لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ' کا ابدی میثاق لایا، 'لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا' کی بشارت لایا، 'لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ' کا پیغام لایا، 'الهدیٰ' اور 'دین الحق' لایا، شعر کی بے قدری کرنے آیا، شاعروں کی

کارفرمائیوں سے ہٹاکر شعر و فصاحت کی طرف پھر متوجہ کرنا "سرود مستاں یاد دہانیدن" کے مترادف تھا، اس آرام دہ بدعت کو شوق سے جذب کرنے لگے، عجم نے جو عرب کے بالمقابل پہلے سے گنگ تھے ان کی دیکھا دیکھی پرزور تائید کی، عوام نے اس راحت افزا تخیل کو مرحبا کہا، پھر کیا تھا لوگوں کی نگاہیں پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواروں سے ہٹ کر کلام الٰہی کی فصاحت کے نشتروں پر جم گئیں، صفحۂ قرطاس میدان جنگ بن گیا، قرآن کا مطالعہ رسم و تبرک کے طور پر ہوتا گیا، لوگ اسکو پڑھ پڑھ کر بالائے طاق رکھتے اور خدا کو بالائے طاق رکھنے میں ذرہ بھر بھی نہ شرماتے، اُدھر عمامہ پوش علماء نے فصاحت اور بلاغت کے فنون کو وضع کیا، صرف و نحو کے اصول ایجاد کیے، جاہلی شعراء کے کلام سے استناد کرکے قرآن کے مطالب کی تعیین اپنے زعم میں کی، قرآن کو ادبیات کی سند قرار دے کر صرف و نحو کے قواعد مرتب کیے، پھر کلام الٰہی کا مطالعہ صرف و نحو، اعراب و تعلیل، عروض بلاغت، صنائع بدائع کا مطالعہ بن گیا، شعرائے جاہلیت کے سب دواوین تبرکاً نوک زبان ہو گئے، رد و قدح میں مناظرے، بات بات پر شعر، رنگ رنگ میں اختلاف، سطر سطر پر کج بحثیاں امت کا شعار بن گیا، لوگ کمال کو درپردہ انہی بحثوں کو حاصل قرآن سمجھتے اور عمل سے پہلے علم حاصل کرنے کے بہانے سے نفس مطالب کی طرف رجوع نہ کرتے۔ پھر کیا تھا ایک علم کو بیہودگی ہوئی، کام چور اور بدنیت قوم کو شاعری کی سند خدا کے ہاں سے مل گئی، قرآن کا کنفر ماخذ اکر کے ٹوٹا لوگ اس سحر کی قرنوں کے اندر ماں جائے بھائیوں کی طرح ہم آغوش ہوئے، پھر وہی

جمود کے بُت، تن آسانی اور آرام کے بُت، فرقہ بندی اور مستقات کے بُت، نفس
پسندی اور اُمت کُشی کے بُت، شیطان اور طاغوت کے بُت گھڑ گئے، ہاں جب
توحید توحید نہ رہی اور شرک دلوں کی تہ پر جم گیا تو لوگ اس قرآنِ عظیم کو، اس
مالکِ زمین و آسمان کے آخری پیغام کو، اس حجۃ اللہ البالغہ اور محکم فیصلہ قادر کے
مختتم فیصلے کو شعر سمجھنے لگے، اُسکے احکام کو ٹالنے کے بہانے سے الفاظ کو
سراہنا شروع کیا، نفس پیغام سے مکر کرنے کے لئے اسکی بندشوں کی طرف راجع ہو گئے
تعظیم کے بہانے چوم چاٹ کر جزدانوں اور ریشمی غلافوں میں بند کر دیا، خدا کو دھوکا دیا،
نفس سے مکر کیا، پرلے درجے کی فریب کاری افترا اور بدبختی سے اعلان کر دیا کہ قرآن
کی سب سے بڑی فضیلت اسکی فصاحت ہی ہے یہی اسکا زندہ معجزہ ہے، اسکی ایک
سورۃ، ایک آیت، ایک جملے، ایک حرف کی فصاحت کی برابری جنوں کی ہواؤں میں
بسی ہوئی مخلوق اور انسانوں کی رہیں باش آبادی ہرگز نہیں کر سکتی! اسی فصاحت
پر تمام عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمرؓ نے سپر ڈال دی تھی، قیصر و کسریٰ کے تاج
ڈگمگا گئے تھے، پہاڑوں کی چوٹیاں ہل گئی تھیں، اسی معجزے کو دیکھ کر عمرو بن العاصؓ
سیوستان کی طرف دوڑا آیا اور طارقؒ نے اندلس پر قبضہ کیا۔ لیکن اس پاک اُمت
کی آنکھیں اندھی ہو گئیں، نتیجہ قُلُوبٌ لَّا یَفْقَهُونَ بِهَا وَآذَانٌ لَّا یَسْمَعُونَ بِهَا کا سماں
سب طرف بندھ گیا، کروڑ ہا مسلمانوں میں سے ایک آواز، ایک صدائے احتجاج
آج تک اس بارِ تحمل کے خلاف بلند نہ ہوئی۔ عرب میں کو علم و عمل کی ناخوش آئند

لوگوں نے دین کو سرتا پا قول بنا لیا۔ کلمۂ شہادت قولی، رسولؐ پر ایمان قولی، حیات پر
یقین قولی، قرآن کو ماننا قولی، ایمان کا مطلب قولی، پیغمبروں کو تسلیم کرنا قولی۔ الغرض
کوئی شے عملی اور یقینی نہ رہی۔ دلوں کے اندر اگرچہ ہزار در ہزار بتوں کے ڈیرے جمائے تھے
مگر توحید وہی مُرسے خدا کو ایک کہنا رہ گیا۔ جہاں احکام صریح تھے وہاں تاویل
نے ایسے جال بچھا دیئے۔ صدہا صورتیں خدا کی آیات سے گریز کرنے کی نکالی گئیں۔
جہاد، ہجرت، اطاعت اولی الامر، وحدت اُمت، انفاق مال، مکارم اخلاق وغیرہ
وغیرہ وہ سب احکام جو دین اسلام کی روح رواں حقیقت میں تھے اور جن کے باعث
اسلام غالب رہا وقتی اور مقامی احکام تصور کیے گئے ان کو رفتہ رفتہ منسوخ سمجھ کر
مسلمانوں نے صرف حوالوں اور ڈھکوسلوں، آیتوں، خاکوں اور داڑھیوں کو پکڑ لیا، انسان
اور غیر اہم باتوں کو اسقدر اہمیت دی، ان کی فضیلت کو اسقدر بڑھ چڑھ کر دکھایا کہ
مذہب ایک مضحکہ انگیز شے بن گیا۔ مشکل اور اہم باتوں پر اسقدر پردے ڈال دیئے کہ انکا
کوئی نگہبان ہی نہ رہا۔ آج دین اسلام کی سب قولی اور اعتقادی صورتیں، اس کی
حمد اور دلیل کا اکثر حصہ وہ ہیں، اسکی امت کا انتشار و انحطاط، انکی دردانگیز
آہیں اور کراہیں، اسکے نظاہر و گداز نوحے اور مرثیے اسی تقولون ما لا تفعلون کے
گناہ کبیرہ کا نتیجہ ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ قرن اول میں توحید دین اسلام کی جان تھی۔ یہی آخر الزمان
اس عظیم الشان حقیقت اور دنیا میں خوش اسلوبی سے سمجھ کے اس وحدت

العتابی ، عبدالحمید بن یحییٰ ، ابن المقفع اور آسان شاعروں کا استاد منتخب ہوا
کسی نے روایت کی کہ ... آیات من القرآن ... ان من البیان لسحرا ، اڑادیا کسی نے
سادگی اسلوب کو ... پیش کر دی دنیا میں شاعر خطیبوں اور تحریروں میں شعر
و انشا سحر کی ہیں شعر حتی کہ ... سالاروں کی طرف خطوط لکھنے میں بھی
سجع اور قافیہ کا التزام کیا گیا۔ ماہی کاتبوں کے انتخاب میں شعر فہم اور مسجع عبارت کا
لکھنا خاص قابلیت تصور کی گئی۔ مگر جریر، فرزدق، اخطل ، نابغہ، صریع الغوانی
ابو نواس، عمرو، زہیر وغیرہ جیسوں سے جہاں شاعر حشرات الارض کی طرح پیدا ہو گئے
حریری اور بدیع الزمان وغیرہ نے نثر کو شاعری کا لباس پہنایا، ایک ایک لفظ اور جملے کو
صنائع اور بدائع کی آہنی زنجیروں میں اس طرح جکڑا کہ مطالب کی روح ودھا نکل گئی
... زبان قواعد اور ... کا مجموعہ بن گیا ایک سیدھی سادی زبان کی حیثیت اکثر
وقت ... پر اس ... تکلف اور ... رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عرب کے لیے بھی علمی
تخیل کو بیان کرنا مدتوں تک محال ہو گیا۔ تخیل بے حد محدود، قوت بیان کمزور، علمی لغت
علمی اور ... سے پار گئی۔ بالخصوص جو کسی زمانے میں عرب کی زبان کا خاص الخاص
امتیازی نشان تھا ایک ادنی سطح پر اتر گئی آٹھ صدیوں کی مدت میں ستر قوم کی رگ
رگ میں اس طرح جاری و ساری ہو گیا کہ متنبی نے سحر فصاحت کی بنا پر نبوت کا دعوی کیا
اور معتقد پیدا کیے۔ مگر ... اس تمام کے باوجود ... جمود میں دین اسلام سراپا
مسخ ہو گیا ... ایک مقصد اور بلند علمی مرتبے سے گر کر اعتقاد اور قول کی ادنی سطح پر آ گئی

نیل نہ ہوتی تھی۔ آج تفرقہ اسلیئے ہے کہ ہر ایک کا خدا الگ ہے، ہر ایک کا معبود جدا ہے
وئی محبت مال میں مست ہے، کسی کو اولاد سے عشق ہے، کوئی پیر پکڑے بیٹھا ہے،
وئی نفس پرستی اور بت آسائی کے بتوں کو پوج رہا ہے، کوئی اجنبی حاکموں کی عبادت
ر رہا ہے، فاطر زمین و آسمان کے حکموں کو کوئی شخص دل میں جا نہیں دیتا جبتک
حید دلوں سے جائے، جبتک غیر اللہ سے تعلق اعضا کو حرکت دے رہا ہے تبتک
سی قوم میں کسی درجے اور محلے، کسی دو نفوس میں اتحاد محال ہے لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ کی عظیم الشان حکمت
رار یہی تھا یہ خدا کی سچی اور بے ریا ایمان اور لاشریک ملازمت ہی تھی جس نے دلوں
جوڑ دیا تھا روئے زمین کے بڑے سے بڑے خزانے، کوئی دنیاوی لالچ، کوئی دوسری
وانی حرص دلوں کو کسی مدت مدید کے لیئے جوڑ نہیں سکتی۔ قرون اولی کے مسلمانو
ں کو خدا نے سمجھا دی تھی کہ دو دلوں کے درمیان شیطان حائل ہونے نہ پائے وہی عداوت
تفرقے کی جڑ ہے۔ نُغْرِي بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ کا حکم رکھتا ہے، خدا اتحاد
چاہتا ہے، امن اور قوت چاہتا ہے، أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ چاہتا ہے، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ
إِخْوَةٌ پر عمل چاہتا ہے، یہی اصل ایمان ہے، یہی سچا اسلام اور خالص دین ہے،
ہاں **توحید** ہے وہاں **اتحاد** ہے، جہاں **شرک** دلوں کے اندر موجود ہے، ایک
اوہ خدا بن گئے ہیں، شیطان کو خدا سے بہتر سمجھا جاتا ہے وہاں تفرقہ اور انتشار کا
تیجہ ہونا قطعی ہے، وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا

اصل اصول کو لایا۔ تئیس برس کی روح گداز اور جانکاہ تکلیف کے بعد اسیر عقلی اور منجمد ضمیر
نفس پیدا کیا اور چند برسوں کے اندر اندر تمام قوم ترقی اور امن کے آسمان تک پہنچ گئی۔
اس توحید کا سربستہ راز یہ تھا کہ دل کے اندر کسی ماسوا کو بت نہ بنایا جائے
کسی دنیاوی شئے سے محبت نہ ہو، کوئی تعلق، کوئی اعتنا، کسی شئے کا اہتمام اس
درجے تک نہ پہنچنے پائے کہ اسکے باعث اعضا میں تکاسل اور جمود پیدا ہو۔ دل کے
اندر صرف خدا بس رہا ہو، اُسکے احکام کی اطاعت کا حال غالب ہو، اس
کی ملازمت اور عبادت ہو، اسی کو خوش کرنے کی دھن ہر دم لگی رہے، انسان
سے تعلق ابتدا اور انتہا نہ ہونے پائے۔ یعنی جس طرح ایک نوکر اپنی مرضی، اپنی خواہشات
اپنی خودرائی، اپنی ہوا و ہوس، اپنی طمع و حرص کے سب جذبات کو تنخواہ دہ مالک
کی مرضی کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے، اپنی رائے، اپنے آرام، اپنے نفس کو آقا کے حکموں
میں دخل نہیں ہونے دیتا، اسی قطع کی ملازمت اور عبادت کو اختیار کرنا توحید
تھی یہی توحید قرآن کے رو سے ایمان کی سب سے اہم شق تھی (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ) نہیں بلکہ یہی توحید عین ایمان اور تمام ایمان تھا۔ صدر اسلام میں اگر اتحاد تھا
تو اسی ایمان سے تھا کیونکہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کے بت، رنج اور کدورت
کے بت، نفسانی مفاد کے بت، ذاتی اغراض کے بت معدوم ہو گئے تھے۔ اگر تفرقہ
اور فرقہ بندیاں تھیں تو اسی ایمان اور اسی توحید کے باعث تھیں۔ کیونکہ کسی
اولیا، کسی پیر، کسی حاکم، کسی فقیر، کسی سید، کسی غیر اللہ کی محبت خدا کے تعلق میں

الگ کر دیا، ایک پاؤں کے تلے کو توڑ دینا کہتے ہیں[1]۔ یہ **ایمان بالآخرۃ** تھا (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ)، **خوفِ** خدا اور **تقویٰ** تھا (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، **ایمان بالغیب** تھا، دیکھے ہوئے خدا کے ہوئے پردہ کا کشف عطا لقین تھا (الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ)، یہی **توحید** تھی، اسی ایمان بالآخرۃ پر انکے سعی و عمل کا تمام عنصر تھا، اسی پر **انفاق مال** ہوا کرتا تھا، بیت المال کے خزانے لبالب بھرے رہتے تھے "غزوہ عسرۃ" کے دن ابوبکر رض نے اپنا سارا اثاث البیت جمع کرکے رسول ؐ کے قدموں پر ڈال دیا، اگر حضرت عمر رض اپنا آدھا مال اُس پیک سیرت نبی ؐ کے حکم پر اٹھا لائے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ مال کا شوق دل سے قطعًا نکل چکا تھا، اسکو اپنے سے جدا کرنے میں دل کو اذیت نہ ہوتی تھی، اس کو دیتے میں احسان کا حق نہ رہا تھا (يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى) توحید دلوں میں بس رہی تھی، شیطان کا کوئی دوست نہ رہا تھا، آخرت کا اجر مالک الملک کی دی ہوئی دس گنا تنخواہ کا اسطار تھا، (مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) **بیناتٌ** میں سے **الجنّۃ** کی بہریں تھیں، دنیا آخرۃ تھی، لقائے رب العالمین کا عشق اتنا تھا۔ اگر قرون اولیٰ میں مسلمان **اولوالامر کی اطاعت** کرتے تھے، اگر وہ اپنی ادنی ادنیٰ سی جلیل القدر سپہ سالار کے اشاروں پر قربان کردیے

---

[1] یعنی اطاعت اور سنن کو سفر کا سامان ہی سمجھ کر ایمان کا نتیجہ ہاں دنیا میں اسی کی سعی حق ادا کرتے اور ۔۔۔ کا اس طرح اکرامِ ۔

يَستَعَاطُكُلُّ حِزبٍ بِمَا لَدَيْهِم فَرِحُوْنَ) صدرِ اسلام میں اگر لوگ جانوں کو لڑا دیا کرتے تھے، اگر وہ **جہاد بالسیف** کیا کرتے تھے تو اسلیئے کہ جان پیاری نہ تھی، اُسکا بُت دل میں نہ تھا، خدا کے بالمقابل جان کی بے قیمت متاع ہیچ تھی، آخرت پر **یقین** تھا خالق ارض وسما پر **ایمان** تھا، آقائے نامدار پر **اعتماد** تھا، اسکے وعدوں اور انعام پر **اعتماد** تھا، اسکی سزاؤں اور دھمکیوں سے **خوف** تھا، قیامت کا دن، جزا کا اور سزاؤں کا دن، مزدوریوں اور خسرانوں کا دن شمس قمر کی طرح سامنے موجود رہتا اس حقیقت پر مہر و ماہ کی مانند یقین تھا کہ اس چھوٹی سی زندگی کے بعد ایک **ابدی** اور **اُخروی** زندگی ہے، مسلسل آرام یا پیہم دُکھ کی زندگی ہے۔ جنت الخلد یا دائمی دوزخ کی زندگی ہے! اس حقیقت کی تہ تک پہنچ چکے تھے کہ باقی سفلی مخلوق خواہ کچھ حال ہی کیوں نہ ہو لیکن **باخبر، باعلم، خود شناس** اور **صاحب ارادہ** انسان زندگی کے اس بیکران اور لامتناہی سمندر پر صرف ایک بلبلہ ہی نہیں بلکہ ایک مستقل اور دائم وجود ہے وہ ایک **متشخص** اور منفرد بالذات شئے ہے نَفَختُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کا مصداق ہے، **مظہرِ خدا** ہے، **مجسمہ ابدیت** ہے، **پیکرِ حیات** ہے، اسلیئے گلا کٹوا دینے سے اسکی زندگی تمام نہیں ہوسکتی! ایک متنفس، ایک جان ایک سانس، ایک حرکت دل کی متاع کی اُس مالکِ زمین وآسمان کی خوشنودی کے بالمقابل کچھ وقعت نہیں! اس حاکم قاہر، اُس بادشاہوں کے بادشاہ، اُس خلاق شمس وقمر کی **ملاقات** کے بالمقابل **ایک** حقیر ذرہ کٹوا دینا۔ **ایک** سر کو ...

آئے اور اتحاد، اطاعت امیر اور جہاد بالسیف، قربانی مال اور ہجرت وطن، ایمان
باللہ ہے، اور یہی عمل کسی شخص کے خدا پر ایمان کرنے اور توحید کو ماننے کے صحیح معیار
تھے۔ انہی کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کسی شخص کے دل پر خدا کی حکومت ہے یا
شیطان کی ملازمت کر رہا ہے۔ یہی خدا کی سچی عبادت بلکہ عبادت کی صحیح تعریف تھی اور
یہی دین اسلام کا بتایا ہوا صراط مستقیم تھا جس پر چل کر انعمت علیہم کا وعدہ ہے (وَاَنِ
اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ)، آج جس قوم کے اندر دین الٰہی کے عظیم الشان
اصول، یہ پیغام انبیاء کا لُبِّ لباب، یہ قانون زمین و آسمان کی روح رواں، یہ خدا پرستی
اور توحید جاری و ساری ہے، وہی ختم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے
قرآن کی صحیح معنوں میں متبع ہے، اور اُمتِ محمدیہ کہلانے کی اصلی حقدار ہے،
آج کل کے مسلمانوں کو بھی آخر الزمان کی اُمت کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے!

کچھ کم ایک صدی کی مدت میں جب اسلام مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گیا، ہر گروہ
نے قرآن کا سہل اور حسب مطلب حصہ اپنے لئے پسند کر لیا، سب کے سب فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ زُبُرًا کی طرف لگ گئے، سب كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کے مصداق بن گئے
وہ اکثر نے الگ الگ رستے بنا لئے، ہر ایک کا الگ خدا بن بیٹھا، اور جب کہ صحیح معنوں
میں دلوں پر ظلمہ ہو گیا تو بعض صوفیا نے قرآن حکیم کے اسی توحید کو عیاں کر دینے
والے ٹکڑے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کو لیا، اِن اللہ والوں نے الٰہی کو غلط راہ نگاہ سے
دیکھ کر خدا سے عاشقانہ محبت کرنے لگے، اُسکا تصور معشوقوں کی طرح دل میں باندھا،

تھے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ انکی اطاعت کے صدقے میں شیطان ذلیل نہ تھا، تن آسانی
اور آرام پسندی کا نشۂ قطعاً نکل گیا تھا، اسکے حکم پر دس بیس یا پچاس کوس چلنا گرا
ں نہ گذرتا تھا، رسول کی اطاعت خدا کی برابری کا حکم رکھتی تھی (مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ
فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ) رسولؐ کے مقرر کردہ ماتحت حکام کی تابعداری گویا رسولؐ کی
تابعداری تھی، سب اُن کے حکموں پر چونک چونک اُٹھتے اور دوڑ دوڑ پڑتے، وہ اولوالامر
مسلمانوں کو جان تک تکلیف میں ڈالتے، رات دن جہاد کے فرائض جاری کرتے، قاتلوں
سے کھینچکر جان تک پہونچ جاتے مگر مسلمان اُن کے حکم کے آگے اُف تک کرسکتے!
اگر کوئی حکم باوجود اس مشقت اور محنت اور اس جوشِ دلی اور خدمتِ قوم کے طبیعت پر
فی الواقع گراں گذرتا تو طوعاً و کرہاً اپنی عرضداشت اپنے حاکم اعلیٰ اور جہاد کے مقرر کئے
ہوئے امیرؓ کے پاس لیجاتے، اُسکے فیصلے کے منتظر رہتے مگر اپنے امیر کی اطاعت
میں کبھی کسر یہ اشارہ کہتے (فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) مدتوں تک توحید کی یہی ایک شق، یہی اطاعت امیر
مسلمانان عالم کو دنیا میں غالب کرتی رہی! اور آج جس قوم کو یہ علم حاصل ہو گیا ہے
وہ فطرت کے خزانۂ عامرہ سے بیجا انعام پا رہی ہے! حضرت خالدؓ کی اپنے
امیر المومنین (عمرؓ) کے حکم سے معزولی کا مشہور واقعہ انکے حسرت انگیز توحید
کی وہ واحد مثال ہے جسکا مثیل سطح زمین مدتوں تک پیدا نہ کرسکے گی۔ الغرض اسی عمل
اور العمد، اسی تکلیف دہ اور غلبہ اندوز توحید کی وجہ سے اسلام غالب تھا۔ یہی وحد

مسلمانوں نے مداہنت اختیار کر لیا، نگاہیں سعی عمل کے بلند مرتبے سے گر کر علمی اعتقاد
کی ادنیٰ سطح پر جم گئیں۔ بے عملی کی اس ناکارہ زار اور بے نتیجہ حالت میں عشق خدا کے
اظہار کا شعر میں منتقل ہو جانا طبعی امر تھا۔ ایک ایجاب و قبول سے عاری، اور ناآشنائے
عشق کے مریل اور کمزور جذبے کو بھڑکانے، اور دل کے اندر اسکی بجھتی ہوئی چنگاری
کو گرم رکھنے کے لئے کسی بیرونی محرک کی ضرورت طبعی ہی تھی۔ شعر سے بہتر اس نظری اور
قولی عشق کو زندہ رکھنے کی کوئی ترکیب نہ تھی۔ اسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ فرقہ صوفیا کا
سارا ایمان و یقین، شعر میں منتقل ہو گیا۔ ولولہ انگیز غزلیں اور ہوش ربا قوالیاں
اور نعتیں خدا کی اس قولی توحید اور رسول کے اس قولی ایمان پر لکھی جانے لگیں،
صوفی انکو سن سن کر وجد میں آتے، انکو پڑھ پڑھ کر حال کھیلتے، اور اسی مشغلہ کو اکسیر حیات
کو اپنے ایمان کا آخری معراج سمجھتے۔ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ اس قطع کے شعرا کا سرتاج تھا
اُن کی تمام غزلیں اسی توحید اور معرفت کی چاشنی کے باعث مقبول ہیں۔ لوگ ان کے
اور غیب کی آواز سمجھتے ہیں، ان سے فالیں لیتے ہیں، استخارے کرتے ہیں، تبرکاً
سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، اسکے مصنف کو لسان الغیب کہتے ہیں، جامیؒ، عراقیؒ، مولانا
رومؒ وغیرہ وغیرہ سب کُل الہامی شعرا اس نظری معرفت کے بڑے مفسر تھے اور
جو اثر ان کے اقوال کا اُمت اسلام کے عمل پر پڑا جس حیرت انگیز سرعت سے ان کے
شعر نے ایمان اور توحید کی اصلی صورت مسخ کر کے دین اسلام کو اقوال کا مجموعہ بنا دیا
تاریخ میں شعر کی بے مثال طاقت اقتدار کی واحد مثال ہے۔ شعر سے موسیقی کی طرف

گنگھمٹ لیکر اعتکاف خانوں میں بیٹھ رہ گئے، عاشقوں کی طرح سوز و گداز پیدا کیا
آہیں اور کراہیں، محویت و ولولے، بکا و تعزیت، الغرض تعشق کے سب لوازمات جمع
کردیئے، سب ماسوا کو یک قلم اور سب سعی مرام چھوڑ دیا، دنیا کی "متاع قلیل" پر ایسی بے طرح
لات ماری کہ مصلّوں پر ہوش سنبھالی، مصلّوں پر پڑے ہوئے اور مصلّوں پر مر
آرام پسندی اور جمود کی یہ وہ نفس فریب ہیئت تھی کہ لوگوں نے اس تخیل کو شوق سے، پا
تسبیحوں کو لیکر رام رام جپنا جہاد بالنفس اور ترک وطن، اطاعت امیر اور اتحاد ملت
کی مشکلات سے بدرجہا آسان نظر آیا، ع وہ جنگ کی چبھتی ہوئی اور تکلیف دہ رگ
کو تاویل کے بے دھڑک قطع و برید کرنے والے پتھر پر رگڑ کر جہاد کے معنی کوئی "روحانی
مجاہدے" بنا لیئے۔ رسول خدا صلعم کی مکے سے مدینے کی طرف کی ہوئی ہجرت میں
ذرا ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑی تھی، سوئے حجرہ پر چلنے والے صوفیائے کرام نے
اس سے مراد اپنے اثاث بیت سے ہجرت فرض کرلی، حکومت اور عزت، غلبے اور
شوکت کے سامان کو چھوڑ دینا سمجھ لیا۔ اطاعت رسول سروں پر سبز عمامے، رنگین کپڑے
اور گلے میں تسبیحیں ڈال لینا ٹھہرالیا۔ عبادت سے مراد وہی تغزل اور تعشق کی آرام دہ
صورت لے لی! اس غلو فی الدین اور افراط و تفریط کا نتیجہ شدہ شدہ یہ ہوا کہ وراثت
زمین اور دنیا میں "اعلون" بنکر رہنے کا نصب العین مسلمانوں کی نگاہ سے قطعاً اوجھل
ہوگیا۔ ملک یک یک چھنتے گئے۔ تصور اسلام تنگ ہوگئے۔ ذل و مسکنت کا ماحول
سب طرف پیدا ہوگیا، حجروں میں آنکھیں بند کرکے بیٹھ رہنے کا شیوہ زناں صفت یا

اور ان کمسِن کمسِن صورتوں کو دیکھتے ہیں، اُن کے حُسن و عشق سے لطف بھی اُٹھاتے ہیں، مریدوں کی نظریں آسمان کی طرف لگا کر اُن کی جیبیں بھی کترتے ہیں، آپ بھی خوش ہیں، خدا کے خوش ہونے کا زعم بھی ہے، طبلہ اور ستار بھی ہے، مے و معشوق بھی ہے، تسبیح و سجادہ بھی ہے، انتظارِ جنت بھی ہے، لذتِ وصل بھی ہے رہی ہے، زہد بھی ہے، رِند اور رِندی بھی ہے، الغرض سب طرف رنگ رلیاں ہیں، اچھا تماشہ ہو، بڑا مزہ ہے اور توحید، آہ، اس لرزہ فگن اور زمیں شگاف، اس قلعہ شکن اور آسماں پاش توحید کی یہ مٹی پلید ہو رہی ہے کہ اسکو بازار کی طوائف کسی نیک سیرت ولی کی قبر پر بیٹھی ہوئی پان زردہ کھا کھا کر گا رہی ہیں۔

صوفیا کی شاعری کے انحطاط کے ضمن میں ایک اور انقلاب عالمِ اسلام کی اخلاقی حالت میں پیدا ہوا جسکا اجتماعی اثر اس تفرق و انتشار کے اثر سے کہیں مہلک تر تھا۔ ایرانی حقیقیہ شاعری کی بنیاد حافظ، جامی وغیرہ علیہم الرحمۃ نے توحید اور "الحب للّٰہ" کے تخیل پر رکھی تھی۔ اس تغزل اور تعشق میں صرف خدا اور رسول مخاطب تھے، حُسن و عشق کے استعارات اور جذبات کا اطلاق اُنہی پر ہوتا تھا اور خطاب کا صیغہ اشارۃً یا کنایۃً ہر شاعری کے اسلوبِ تغزل کے برخلاف مذکر تھا۔ یہ تلمیحی علم اور جب عوام میں محبوب ہونے لگا اور لوگوں کے سفلی جذبات اسکے پیدا کیے ہوئے ہیجان سے جوش مارنے لگے تو غیر صوفی شعرا نے بھی متقدمین کے تتبع میں اپنے معشوق کو

پڑھنا دُرجے باقاعدہ اوراد کا حکم رکھتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمتِ محمدیہ نے بھی
دیگر مذاہب کی طرح رسم کو اپنے دین کے اندر داخل کر لیا۔ صوفیاء نے اس فن کو نہایت
سرعت سے ترقی دی، عجب عجیب طرز میں جن کا ترنم دل کے محسوسات کو بھڑکانے
میں خاص طور پر مدد دے سکے، اس مطلب کے لیئے رواں کیں۔ پھر پیروں اور اولیاؤں
کی مزاروں پر ان گانا بجانا دینِ اسلام کا مستقل جز بن گیا، مزاروں پر رونق اور زائرین کا
ہجوم، روز بروز بڑھتا گیا، لوگ ان قوالیوں کو خود سر لطف اور طبلوں کی لے پر سنتے، سر دھنتے
عورتوں کی طرح روتے اور بے ہوش ہو ہو جاتے۔ اُدھر زیارتوں کے نذر نیازوں کا
بڑی مقدار میں جمع ہو جانا بجائے خود ایک اچھی خاصی دکانداری تھی جس کا نتیجہ بالآخر
یہ ہوا کہ سجادہ نشینوں اور پیروں کا دامن لوث زر سے بھی ملیدہ ہونے لگا، بڑے بڑے
اولیاء اللہ اور بزرگ ہستیاں حضرات اس ترکیب سے بھی دنیا کے پیچھے پڑ گئے، پیر بڑے
رئیس اور دنیا دار شمار کیئے جانے لگے، ان کی گدیاں مستقل طور پر ماننے والوں میں بٹ گئیں،
ایک دوسرے کے برخلاف صف آرا ہو گیا، ہر ایک اپنا الگ فرقہ، الگ طریقت، جدا
مسلک، جدا سلسلہ، علیحدہ شریعت، علیحدہ دین قائم کیا۔ لوگوں میں تفرقہ، آپس میں
تفرقہ، ہر ایک کی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد، جدا تکیہ، جدا حرم، جدا مودی خانے،
جدا لنگر، جدا دیوان، الغرض دین اسلام میں شکست و انتشار کا ایک حشر برپا ہو گیا!
پیری اور سجادہ نشینی اس حد تک گر گئی کہ باہمی مکر کے فساد سے توڑ کر بازاریت کرانے
کے مکر سے عورتوں کے حلقے بنائے جانے لگے، یہ حضرات ان میں آج آتے ہیں،

عمل کا فرماں خسروی احساس کے تابع ہوتا ہے جس شے کو ذہن مسترد کردے اسکو
بے نتیجہ سمجھے، اسمیں کوئی دنیوی یا اُخروی فائدہ نہ دیکھے، اُسکے اندر کوئی منطق، کوئی
صغریٰ کبریٰ نہ پائے، اسکے ذریعے سے کسی شے کا پیدا ہونا یا اسکا حصول متعذر ہے، یہی وجہ ہے
کہ جب ذہن کو کسی مطلوب کا علم، اور اسکی ماہیت کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ یقین بجائے
خود محرک اعضا بن جاتا ہے۔ دین اسلام کی ہیئت جبتک علم اور یقین اکسیر رہی جبتک
اسکے سامنے غلبہ اور تمکن فی الارض کا نصب العین علم کے زیر سایہ قائم رہا، جبتک اُس کے
قانون کا علم صحیح معنوں میں علم رہا، اور ذہن اُسکی منطق کو قبول کرتا رہا، تب تک مسلمان
سرتاپا عمل بنے رہے، لیکن جب وہ ذہنی یقین دل کے ایک سطحی سے اعتقاد یا زبان کے
ایک لفظی قول سے بدل گیا تو احساسات جامد ہو گئے۔ شعر چونکہ بالطبع علم نہ تھا، اس لیے
اس نے مسلمانوں کی طبائع پر حاوی ہو کر دین کی علمی تصویر یکسر مسخ کر دی۔ اعمال کو اقوال
اور اعتقادات کی صورت میں بدل دیا۔ اسکی سب منطق بے دلیل اور بے نتیجہ بنا دی۔
دل کے محسوسات کو بہم بھڑکا کر ذہن کو بے حس بلکہ متنفر کر دیا آج اگرچہ عالم اسلام کے
اندر شاعری کے پیدا کیے ہوئے جذبات اسقدر وسیع ہو گئے ہیں کہ سب مسلمان متفق
آرہے اپنی بدقسمتی پر رو رہے ہیں، سب کے دلوں میں اپنی کھوئی ہوئی عظمت کی جھلک باقی
باقی ہے، سب نوحوں اور مرثیوں، دعاؤں اور سجدوں سے خدا کی غیرت کو جوش دلا
کرنے کے زعم میں مبتلا ہیں لیکن عمل اسلیے پیدا نہیں ہوتا کہ شاعری کے بے اندازہ غلبے نے
ذہن کو ہمہ تن تسلیم اعتقاد میں بدل دیا ہے۔ جو قول ہے بے عمل ہے، جو عمل ہے

[illegible] ایک [illegible] لہو و لعب نے رسوخ حاصل کر لیا [illegible] الامر [illegible] اسکا نتیجہ لازمی یہ ہوا کہ تمام
عالم اسلام میں رفتہ رفتہ امرد پرستی کی شرمناک رسم شروع ہوگئی۔ اس تخیل کی اشاعت سے
مسلمانوں کی اخلاقی حالت نہایت سرعت سے گر گئی، اور اسی اثر سے عیاشی کے نئے نئے
طریقے مروج ہوگئے، بد معاشی سے بیمار ہونے لگی، اور ایک صدی کے اندر اندر
یہ بیماری وبا کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ ایران، ہندوستان، وسط ایشیا، روم حتیٰ کہ
عرب اور مصر بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے، اشاعت علم و ادب کے اندر اس شرمناک تخیل کا
تداخل اُمت محمدیہ کی عیاش پرستی اور جبر الامم ہونے کے لئے نمایاں بدنما داغ ہے جس کے
دھونے کے لئے ہفت اقلیم کے سمندر بھی ناکافی ہیں۔ آج اگر ممالک اسلام کے
طول و عرض میں علم کی جگہ بد اخلاقی اور بے حیائی نے لے لی ہے اور سعی عمل کی جگہ جمود
اور ناکارہ پن قوم کا شعار بن چکا ہے تو یہ اس امر کی شکست اور صریح دلیل ہے کہ کسی
قوم کے اعلیٰ جذبات کو زندہ اور برقرار رکھنے کیلئے صحیح اور پاک علم و ادب کو رائج کرنا کتنا ضروری ہے

الغرض مسلمانان عالم کے اس تمام ہبوط میں شعر کو سب سے بڑا دخل تھا،
شعر کے پیدا کیے ہوئے جذبات کا اثر انسان کے صرف سطحی محسوسات کو جنبش ہی کے
لیے برانگیخت کرتا ہے، لیکن اس خاص صورت میں قیام، یا اُسکے ذریعے سے جسم
مستقل حرکت پیدا ہونا محال ہے انسان کے جسم کی بس چھوٹی سی ادارت کے اندر
وہیں وہ عضو رئیس ہے جو باقی سب اعضا پر حکومت کرتا ہے، اسکے سب محسوسات کی
پہلی اطلاع براہ راست اسی کو پہنچتی ہے اور یہی وہ رئیس اعظم ہے جسکے دل سے [illegible]

اسلام کا گورکن سمجھتا ہوں، میرا یقین ہے کہ وہ شعر کہکر اور دل کے سطحی جذبات کو بھڑکا کر
امت کے کسی عضو کو معطل کر رہا ہے، جمود اور ناکارہ پن کا سبق دے رہا ہے، کارکن عنصر
کو بے کار کر رہا ہے، آپ بیکار بن رہا ہے، لوجوں اور وظیفوں کا ذکر کر کے سعی و عمل سے
بھاگ رہا ہے، خلق خدا کو دھوکا دے رہا ہے، سو دلوں کو اور سُلا رہا ہے۔ میرے نزدیک
باعث عزت آج وہی اشخاص ہیں جو کام کر رہے ہیں، اچھے تن بدن کو تکلیف میں ڈالکر
قوم کو سنوار رہے ہیں، کڑیاں جھیل جھیل کر اس دولت، عزت، حکومت کی سبیل
پیدا کر رہے ہیں، وہی صحیح معنوں میں اسلام کے دعوے دار ہیں۔ میرا عذر آیندہ اوراق
کو پیش کرنے میں صرف اسقدر ہے کہ یہ سب اُس وقت کے ہیں جب میں مشکل پندرہ برس
کا تھا، آج انکو کہے ہوئے بائیس برس گذر چکے ہیں۔ صرف حقائق کا ایک باب ہے
جو ابھی ابھی اضافہ کیا ہے۔ جس وقت یہ رباعیات اور غزلیں کہی تھیں میں فی الحقیقت شعر
کے مضمرات سے ناواقف تھا بلکہ شاعری کو ایک ہنر سمجھتا تھا۔ بچپن سے سنتا آیا
تھا کہ شاعری ایک بڑی چیز ہے، اسمیں دسترس رکھنا انسان کی ایک خوبی ہے۔ قرآن
کی فصاحت اور بلاغت کے چرچے اسقدر ہوتے تھے کہ دل میں آتا تھا کہ جیسے خدا معاذ اللہ
ایک بڑا شاعر ہے، بلیغ اور فصیح قرآن کے بارے میں "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ" کا اعلان
کرتا ہے، جب اس فاطر نے آسمان سے عرب کے بڑے بڑے شعرا کو شکست فاش دی
تھی، انکو شاعری میں مدمقابل بنا کر پچھاڑ دیا تھا تو شعر کہنے میں کیا عیب ہے بلکہ شاعر بننا
تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ کا ایک جز ہے۔ یہ حال کم و بیش انیس (۱۹) برس کی عمر تک رہا جس وقت

سے محروم ہے۔ نہ قانون خدا کا علم ہے، نہ سنت اللہ کی صحیح منطق ذہنوں میں ہے، اگر کچھ سلیقہ ہے تو
باقی رہ گیا ہے وہی آہیں اور کراہیں ہیں اور وہ بھی اُس وقت تک کہ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ کی میعاد محکمہ قضا و قدر کے ہاں سے پوری
نہیں ہوتی، حکومت مدت ہوئی پہلے سے چھن چکی ہے، دولت، عزت، علم، تجارت
سلب ہو چکے ہیں، ہلاکت اور مسکنت کے بادل سب طرف سے گھر رہے ہیں، حواس
اور چیتھڑے حرف بدل ہو چکے ہیں، صرف آخری گھڑی کا انتظار ہے، جس دن وہ کڑا اور
کپکپا دینے والا وقت آپہنچا اور موت کے نقارچی نے کوچ کے نقارے پر چوٹ لگا دی
اُس دن اُن کی سب لن ترانیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور زمین قسمت کرنے والے خدائی
جلاد زبان حال سے پکار اُٹھیں گے کہ شکر ہے اُس بے نیاز خدا کا کہ ایسی نا اہل قوم کا
قصہ روئے زمین سے پاک ہو گیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

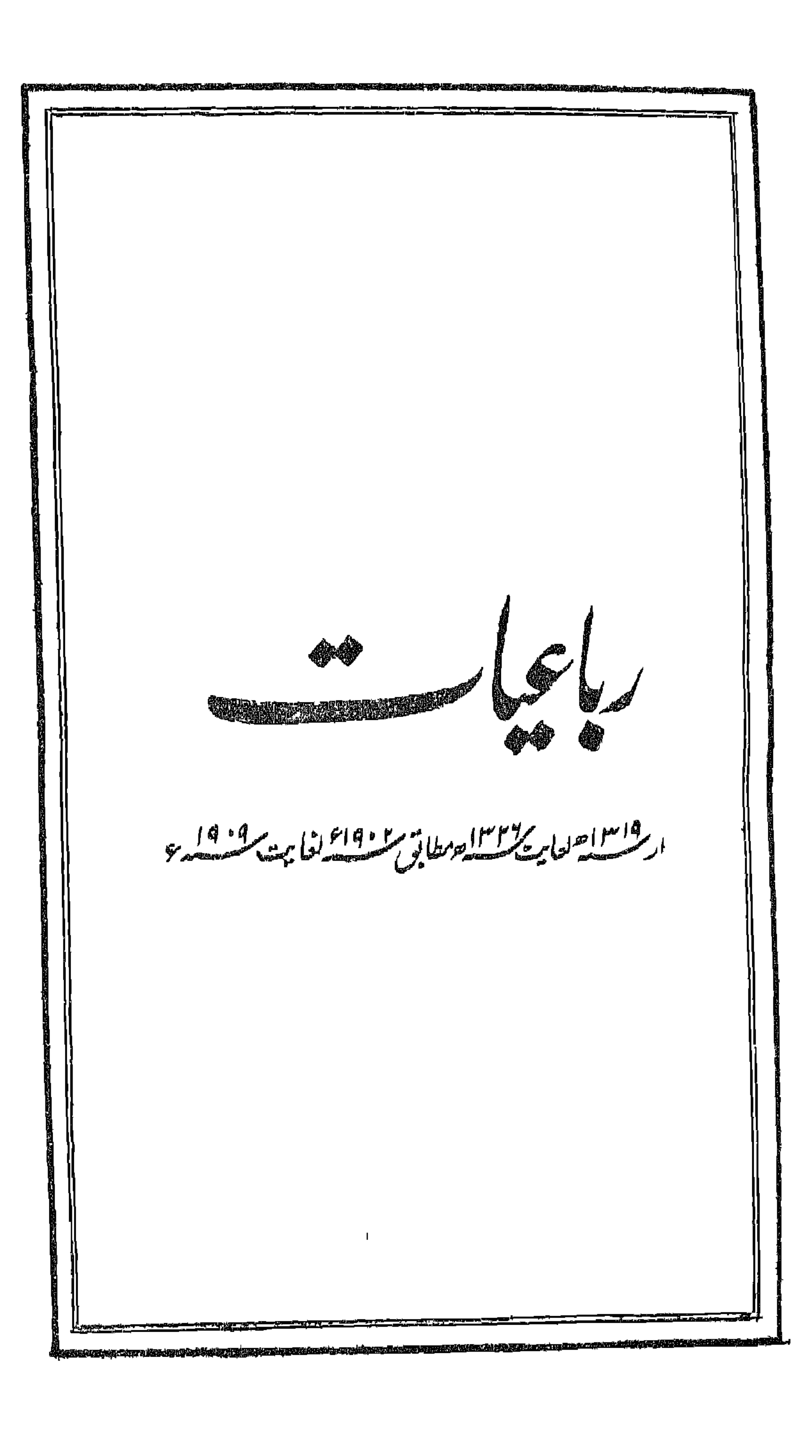
شاعری کی برائیوں کے متعلق ان حالات کے ہوتے ہوئے میرا آئندہ اوراق
کو عوام کے سامنے پیش کرنا بہت کچھ باعث اعتبار ہو سکتا ہے نہیں بلکہ آپ شعر
کہکر شاعروں کی مذمت کرنا ایک نقطۂ نظر سے بجائے خود يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ کے
گناہ کبیرہ کا مصداق ہے۔ چند شعر یا ایک بڑا دیوان لکھکر اپنے آپ کو شاعر کہلانا میری
نظروں میں ذریعہ عزت ہی نہیں بلکہ باعث ذلت ہے۔ میں ہر وقت یا بس شاعر کو تنبیہ

کتاب "قدن کرو" کی آواز کو شعر پسند طبقے کے کانوں تک پہنچانا از بس ضروری
ہے قرآن حکیم کی عظیم الشان حکمت اور دین اسلام کی صحیح تعلیم سے تمام عالم اسلام قطعاً
نابلد ہو چکا ہے ، قرآن کو اُٹھا کر دیکھنا تو درکنار اسکا ذکر کرنا بھی بعض حلقوں میں باعث
عار ہے اور شاعر طبقہ تو ایسا بطرح واقع ہوا ہے کہ شعر کے بغیر کسی کلام کو سننا گوارا ہی نہیں
کرتا۔ مزید براں اس دیباچے کے لکھنے کا خیال تھا قرآن کو شعر و فصاحت کے [?] بھی بالکل
ذیل اعلان کرنا مقصود تھا ، شاعری کے عالم اسلام پر مہلک اثر کی سرگذشت بیان کرنا
پیش نظر تھا ، اور غیر شاعر کی زبان سے یہ باتیں زیب بھی نہ دیتی تھیں ، اسلیئے ارادہ ہوا
کہ ان اشعار کو تلف نہ کیا جائے ، یہ ایک بچپن کی شاعری ہے ۔ ساقیا مرغ [?] از من عالم ہستی جدائی
کی مصداق ہے ، اسمیں اگر کسی نکتہ چیں نقاد کے خیال میں سُقم ہونگے تو ہوتے رہیں لیکن
کم از کم اس تحریر کے وقت مرفوع القلم تھا ، اس خیال سے پچھلے سال چند دنوں کے اندر
"حقائق" کے باب اور تحریف اسلام کے اشعار کا اضافہ کر دیا ، جس ترتیب سے اشعار کیئے گئے
تھے برقرار رکھی ، ان کی تاریخیں جسقدر یاد نہیں لکھ دی گئیں اور کتاب مطبع کے حوالے کر دی
اس باب میں اسلام کی صحیح تعلیم کا لُبِ لباب اس امید پر درج کر دیا ہے کہ شعر گو اور شعر پسند
حضرات قرآن کی طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ وہ کیا علم و حکمت تھی جسکے باعث مسلمان
اوج امن پر مشرف ہو گئے تھے ۔

الغرض شاعری کے متعلق میرا [?] یا بس سب کچھ آئندہ اوراق میں ہے جس میں حتی الوسع
کوئی کہا ہوا شعر نہیں کاٹا ۔ اور ماسوا حقائق کے باب اور تحریف اسلام کے عنوان کے کچھ [?]

طالب علمی کے مشغلوں سے فرصت ملتی ایک دو رباعیاں یا شعر کہہ لیتا، اور چونکہ گھر سے صرف شعر فہمی کی تلقین ہوا کرتی تھی اور شعر گوئی کو تضیع اوقات قرار دیا جاتا تھا اسلیے حتی الوسع انکو چھپائے رکھتا۔ اس عمر کے بعد رفتہ رفتہ اس حقیقت کا طلوع ہوا کہ شعر در اصل ایک بیکار شے ہے، مغرب کے تمدن اور علم ان میں شعر کہیں نظر نہیں آتا، شعرا کی انگلستان میں بے قدری، یورپ کا علم و عمل سے شغف، اس قوم کی حیرت انگیز تگ و دو، ان کا کارگاہ فطرت سے عشق، ان کا اسباب کائنات سے حیرت انگیز طلب عمل، انکی قانون عدالت بڑی یا جری، انکے اعمال کی دین اسلام کے احکام سے مماثلت، الغرض اس علم اور حکم اور نبوۃ کو دیکھکر شعر سے بیزار ہو گیا، ہاں یاد ہو وہ ایک مدت رہے کہ صرف دو باتیں لوحے لکھے اور وہ بھی اس وقت کہ اسلامی شوکت کے مٹے ہوئے نشان دیکھکر جی بھر آیا، مگر شعر سے نفرت قطعاً پیدا ہو چکی تھی، اسلامی زوال کی وجوہات میں اور اسباب کے علاوہ شعر کی لت پڑ جانے کو بھی داخل کرتا تھا لیکن قرآن کی فصاحت کا عقدہ لاینحل اسوقت دل میں کھٹک رہا تھا کبھی کہتا تھا کہ زہر کا تریاق زہر ہی ہو سکتا ہے، لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ اس لئے رب العالمین نے بھی عرب کو دم بخود کرنے کیلئے اپنا "طبعی اور کلام" پیش کر دیا ہو گا۔ قرآن کے علم و حکمت کی خبر بعد میں ملی اور وہ اس وقت جب یہ معلوم ہوا کہ علم فی الحقیقت کیا شے ہے اور اسکی صحیح تعریف کیا ہے۔

یہ اشعار اسوقت تک نذر آتش کر دیئے ہوتے مگر کچھ مدت گذری خیال آیا کہ یہ



رباعیات

از سنہ ۱۳۱۹ھ لغایت سنہ ۱۳۲۶ھ مطابق سنہ ۱۹۰۲ء لغایت سنہ ۱۹۰۹ء

نہیں لکھا، کہیں کہیں کوئی مصرعہ بدل دیا ہے اسلئے کہ مسودے کو دیکھتے وقت پہلے سے
بہتر ذہن میں آگیا تھا، مگر بحیثیت مجموعی جو کچھ لکھا جاچکا تھا اُسکو بہتر بنانا مدّنظر نہیں رکھا۔
شاعری سے مجھے بیحد نفرت ہے اور اسی لیئے اس رنگ میں اور کچھ کہنے کی امید عبث۔ البتہ اگر
ان واہیات کو پڑھکر کسی شخص کے دل پر صرف اسقدر اثر ہوجائے کہ شاعری ایک عبث
شئے ہے، کوئی صاحب علم و عمل قوم اسکا اس حد تک احترام نہیں کرتی جسقدر کہ مسلمانوں نے
اسکو چھہ صدیوں سے معزز مانا اور بہ تکلف اپنے اخلاق کا جزو قرار دیا، اور اگر وہ اس کتاب کے
مطالعے کے بعد قرآن حکیم کو معنًا اور عملًا اس خدائے عظیم کا علم و حکمت سے بھرا ہوا آخری پیغام
قرار دینے لگے اور میری طرح شعر کو خیرباد بھی کہدے تو میں سمجھونگا کہ اس زہر سے ہی تریاق
کا کام نکل آیا۔ اور اس چھوٹے سے داشتے نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق بڑا کام کیا!

ادارۃ الاشاعۃ للتذکرہ امرت سر
رقم زدہ یکم رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۷۔ فروری ۱۹۲۴ء

مشرقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

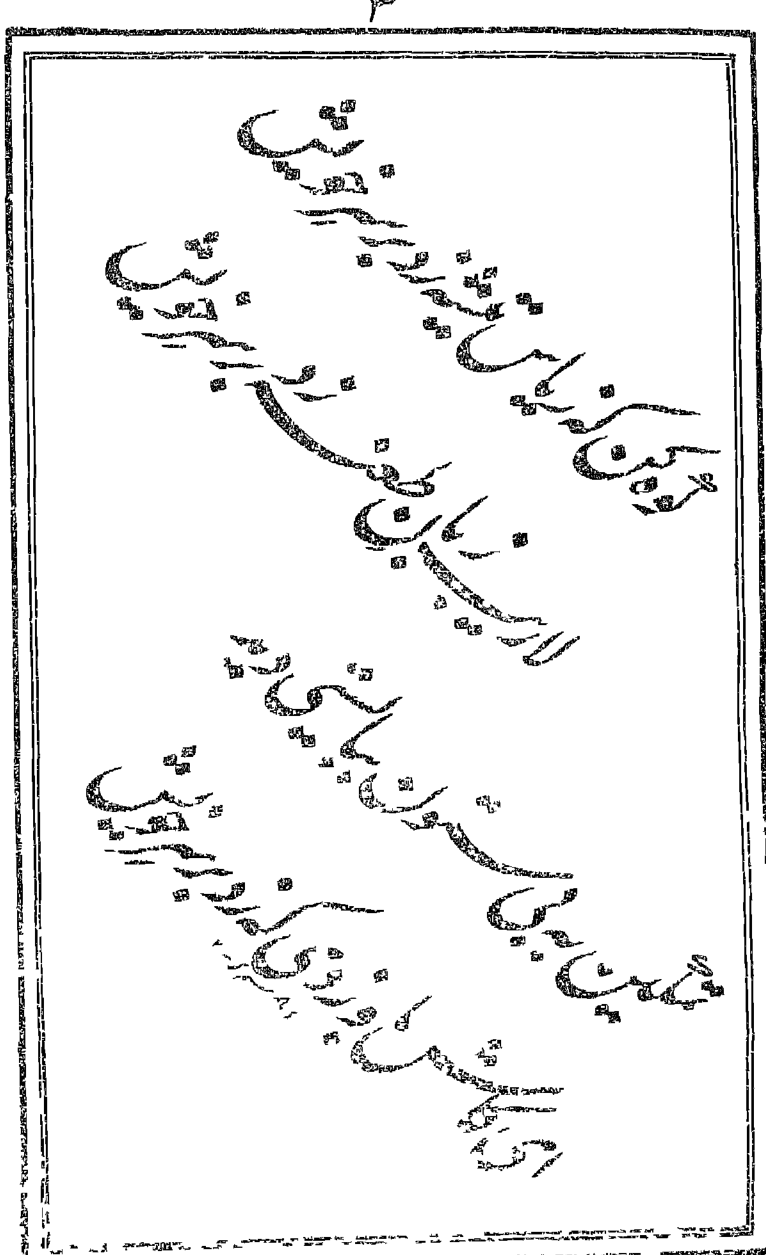
اے کہ بنیاد از لطف خود آباد ہستیم

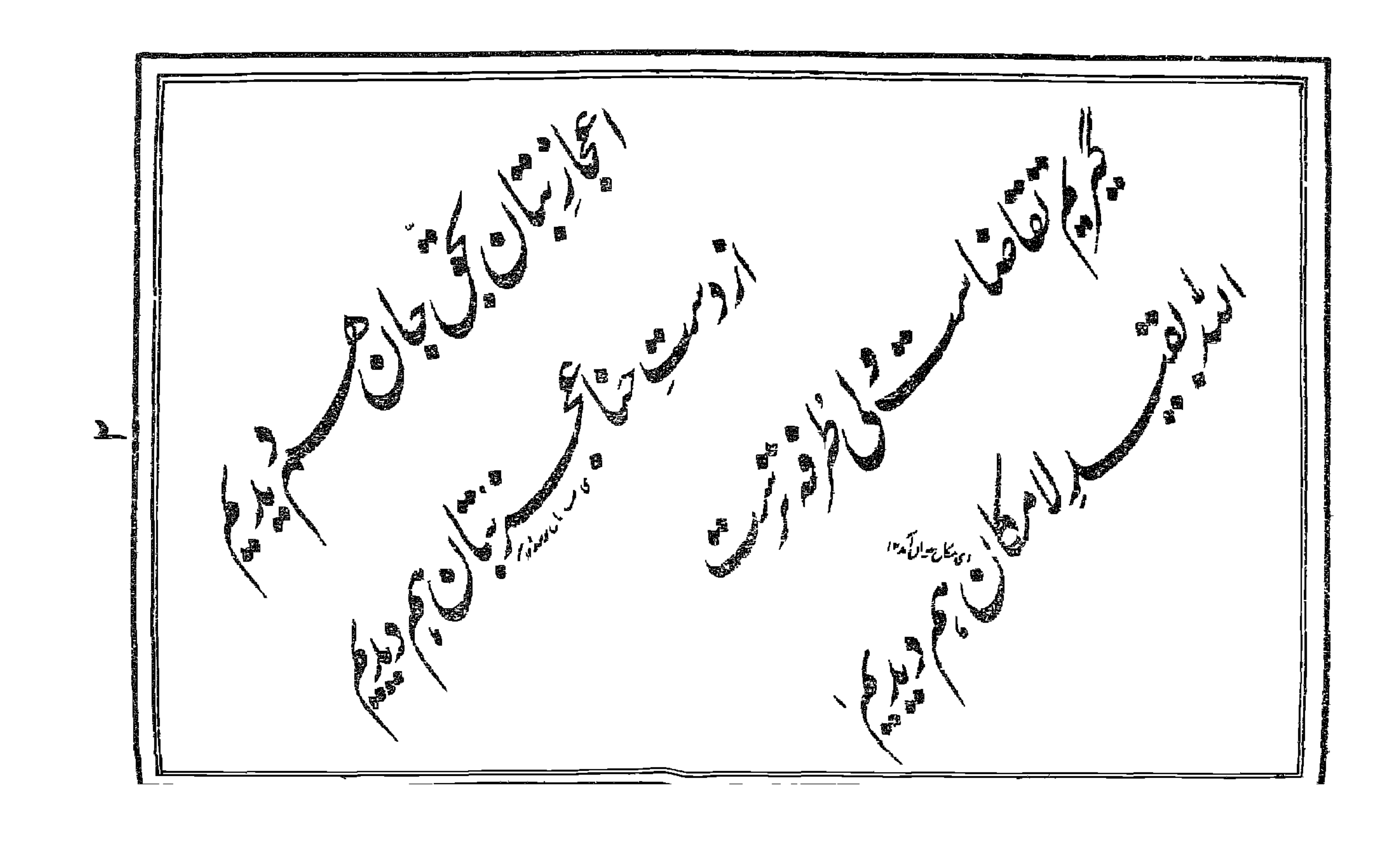
ز ظلمت نجیب ستم آزاد ہستیم

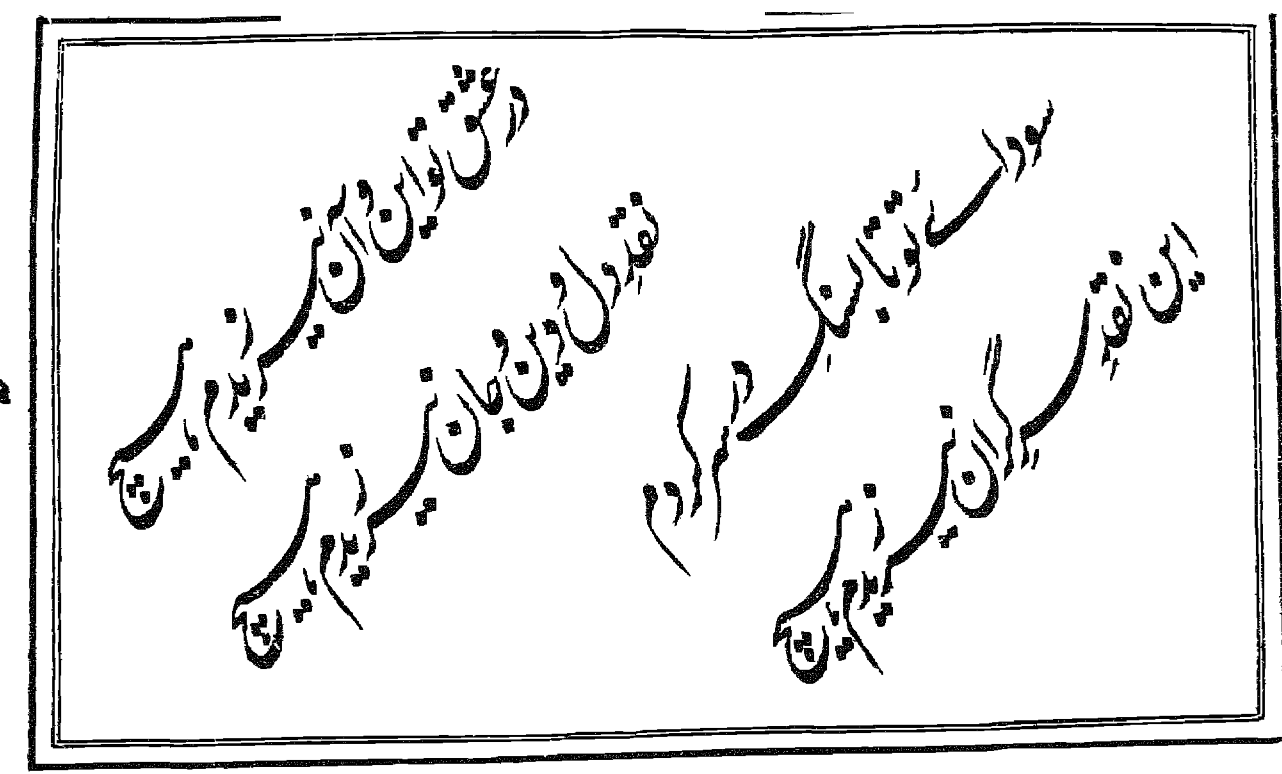
بجواب سخن تو زیبا ازانکہ محبت دیدیم

بیاد یار ہستیم و بازار آباد ہستیم

۱۹ صفر ۱۳۲۱ مطابق سنہ ۱۹۰۲ء






در عشق تو این و آن نیرزید به هیچ
نقد دل و دین و جان نیرزید به هیچ
سودای تو با سنگ در سر کردم
این نقد گران نیرزید به هیچ

با ساقی و از سیمبر نیستم آرام

با ساقی سیمین بر و آن گلرخ و جام

و آنگه ز فراز و نشیب گذشتی

سرمست ز شوق و باده گشتیم

تا بادی من چه یاد بر هیچ نفست

دانم که [illegible] کتاره کنت

از آدمی [illegible] بهشت است

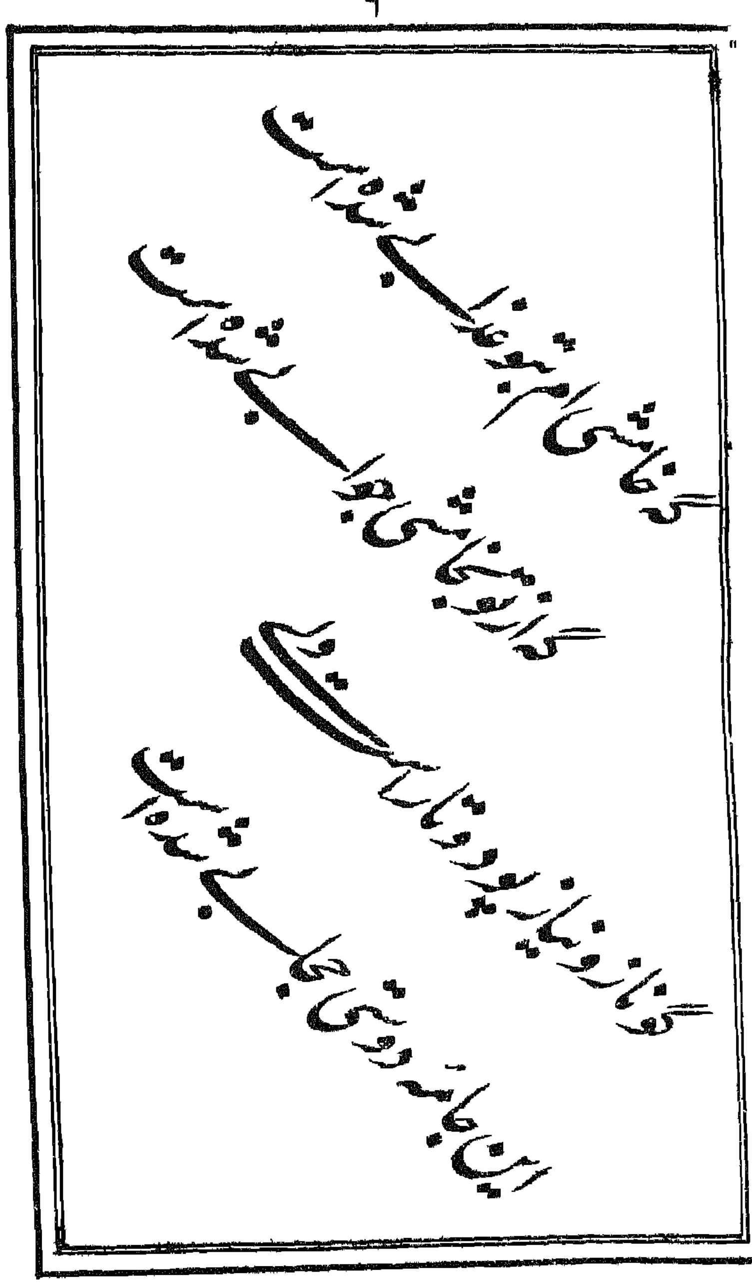
در خانه [illegible] حبیب

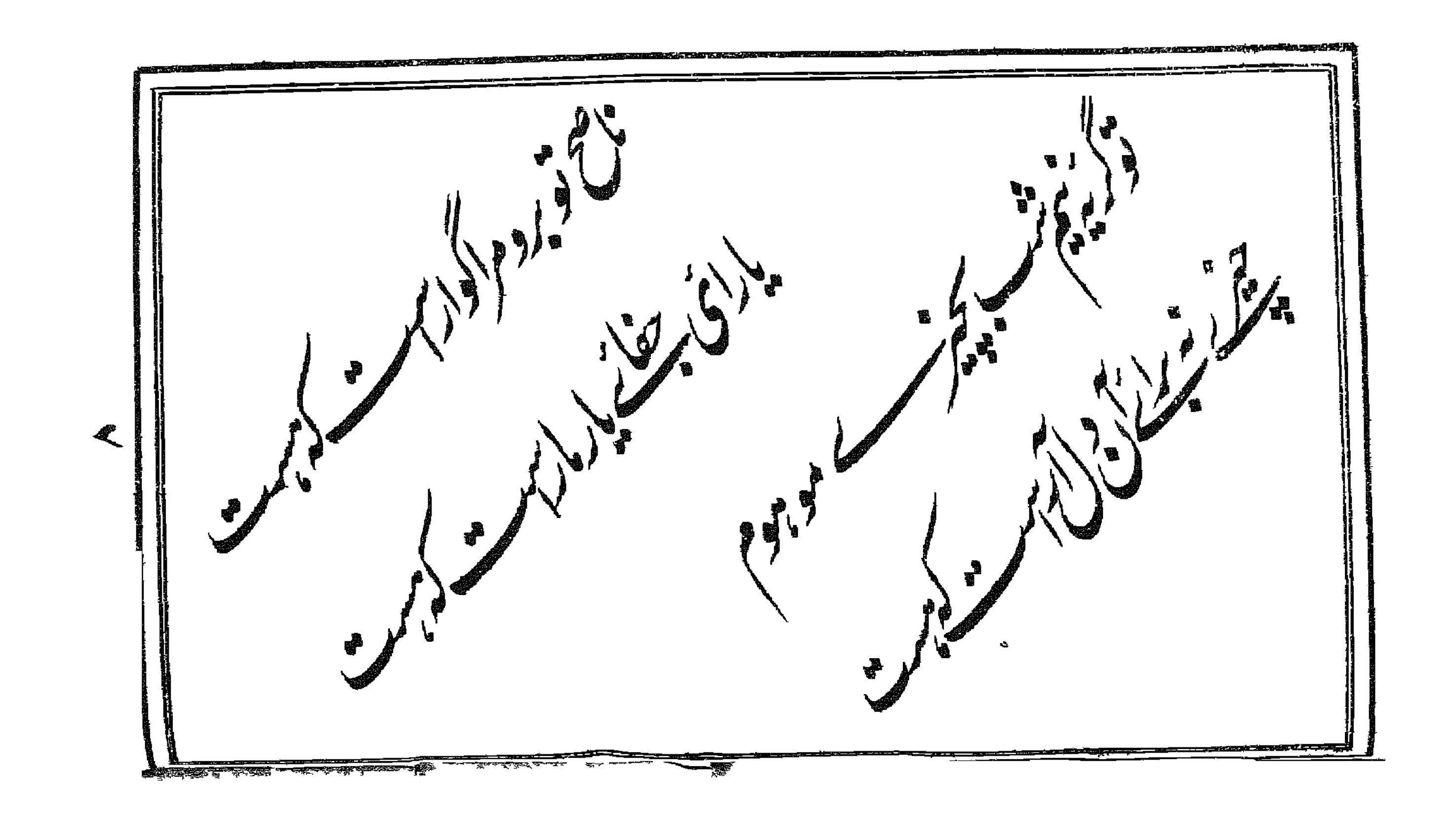
[illegible] آزادی کا

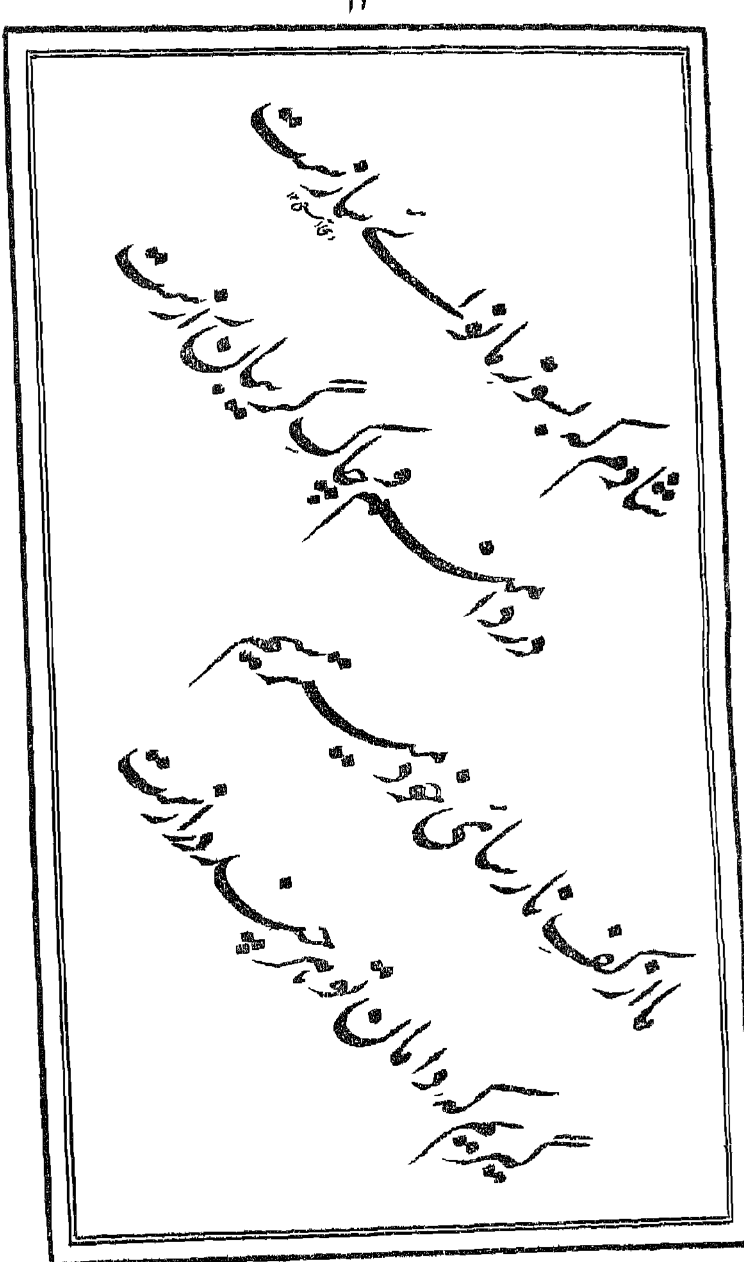
[illegible] آزادی کا

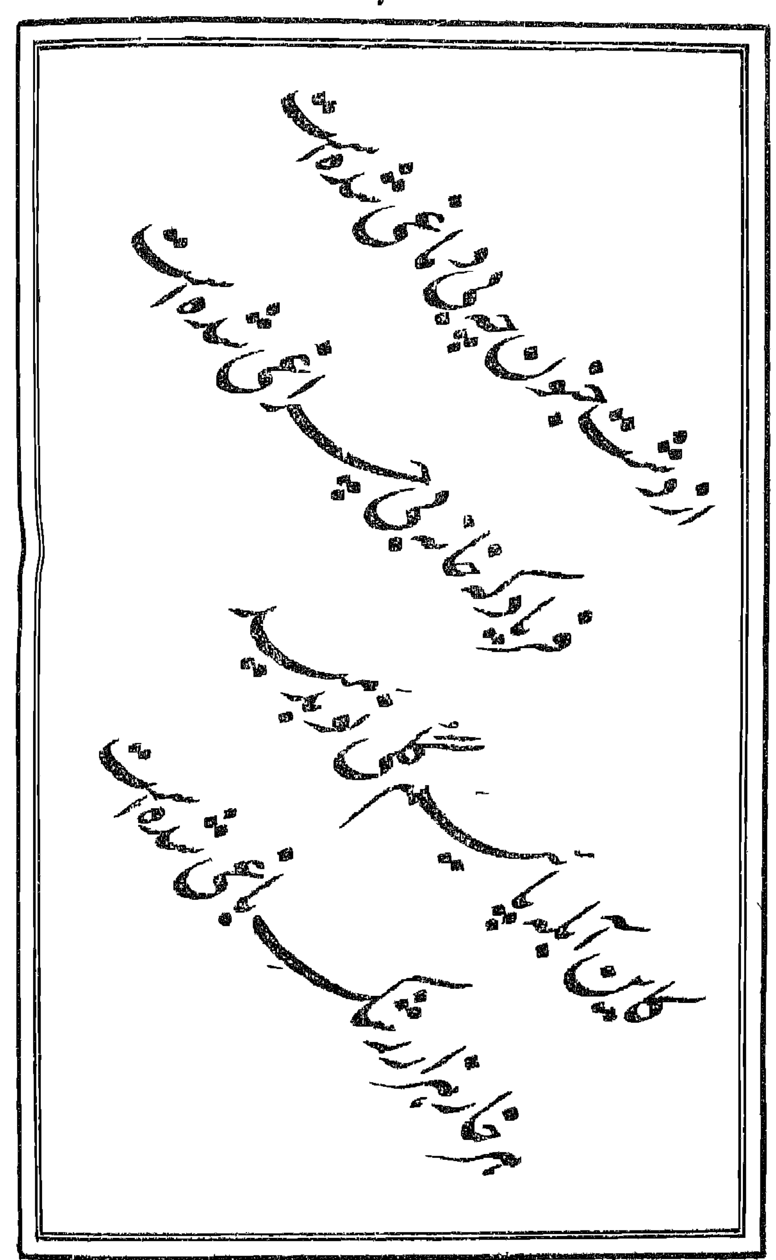
[illegible]

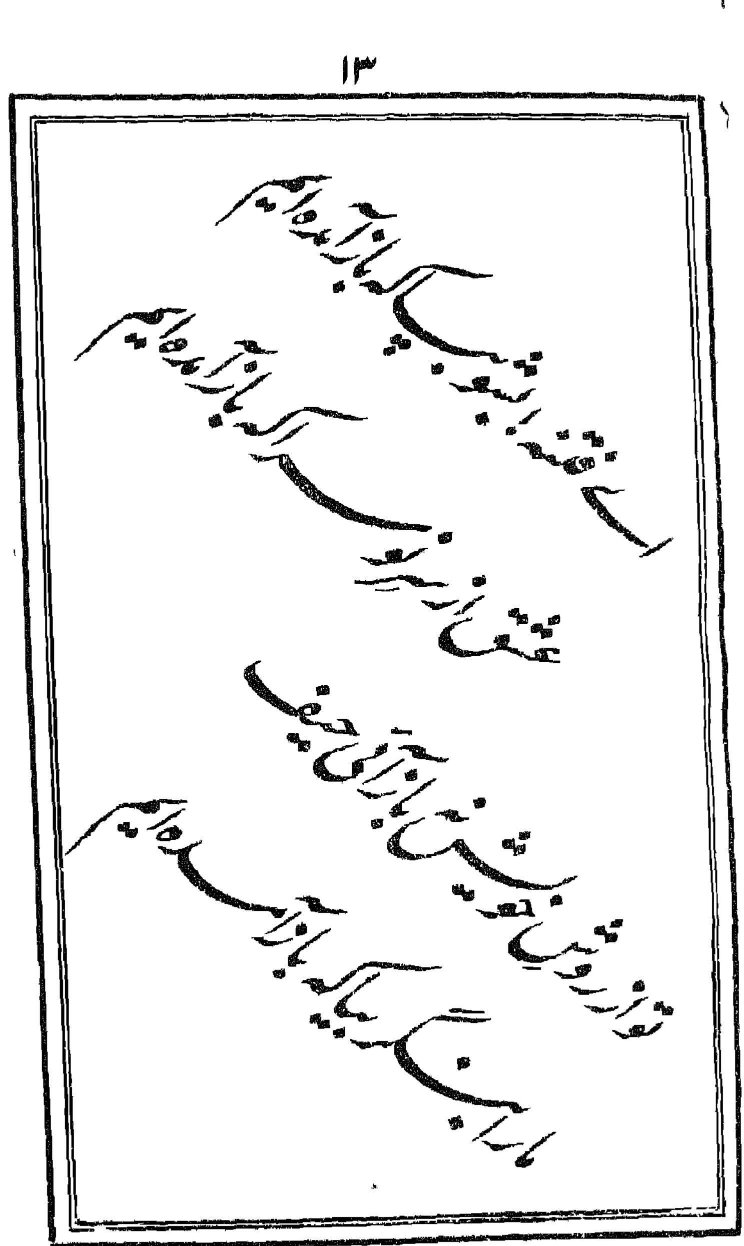
[illegible] آزادی کا

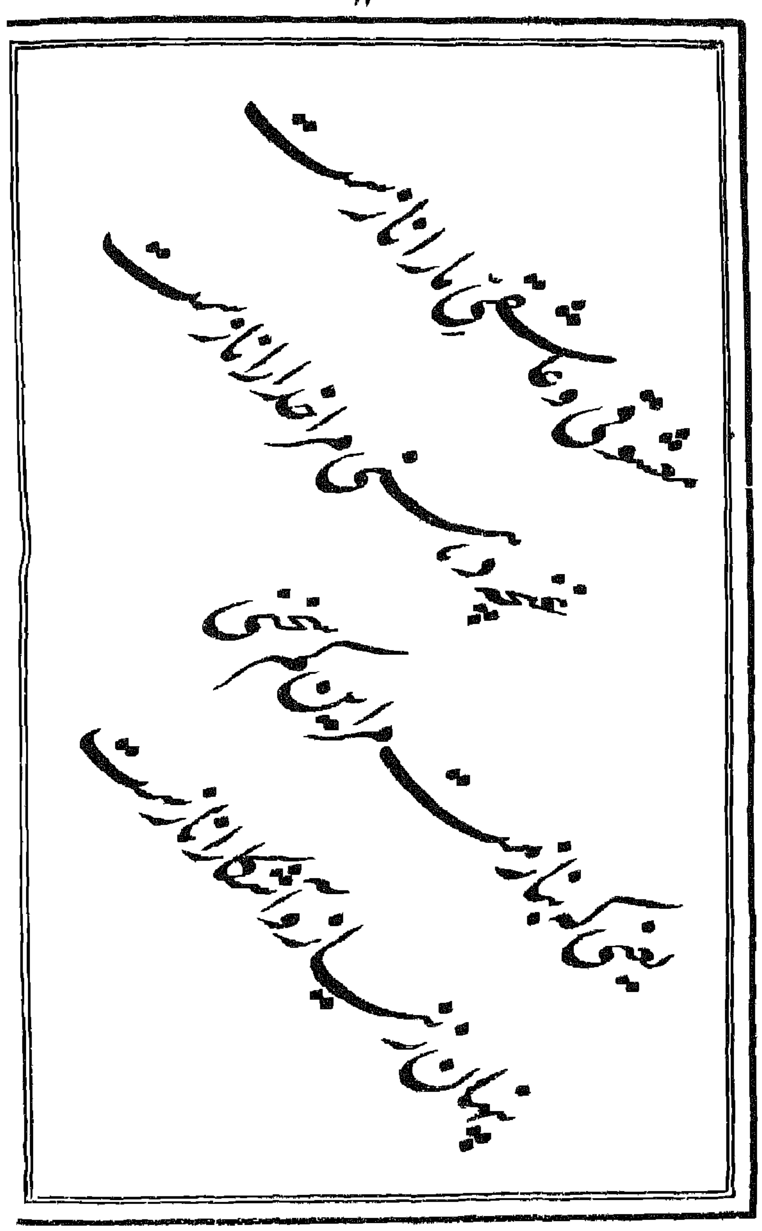


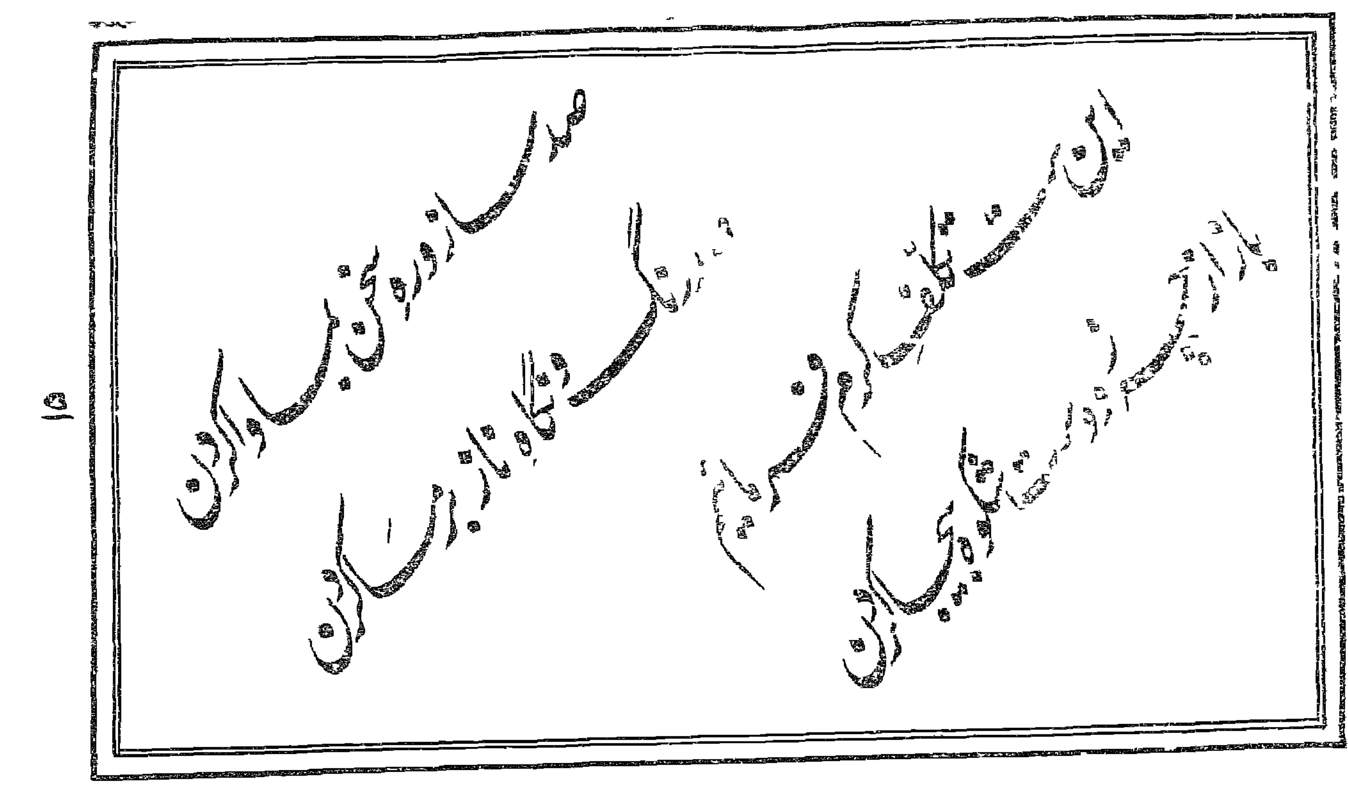


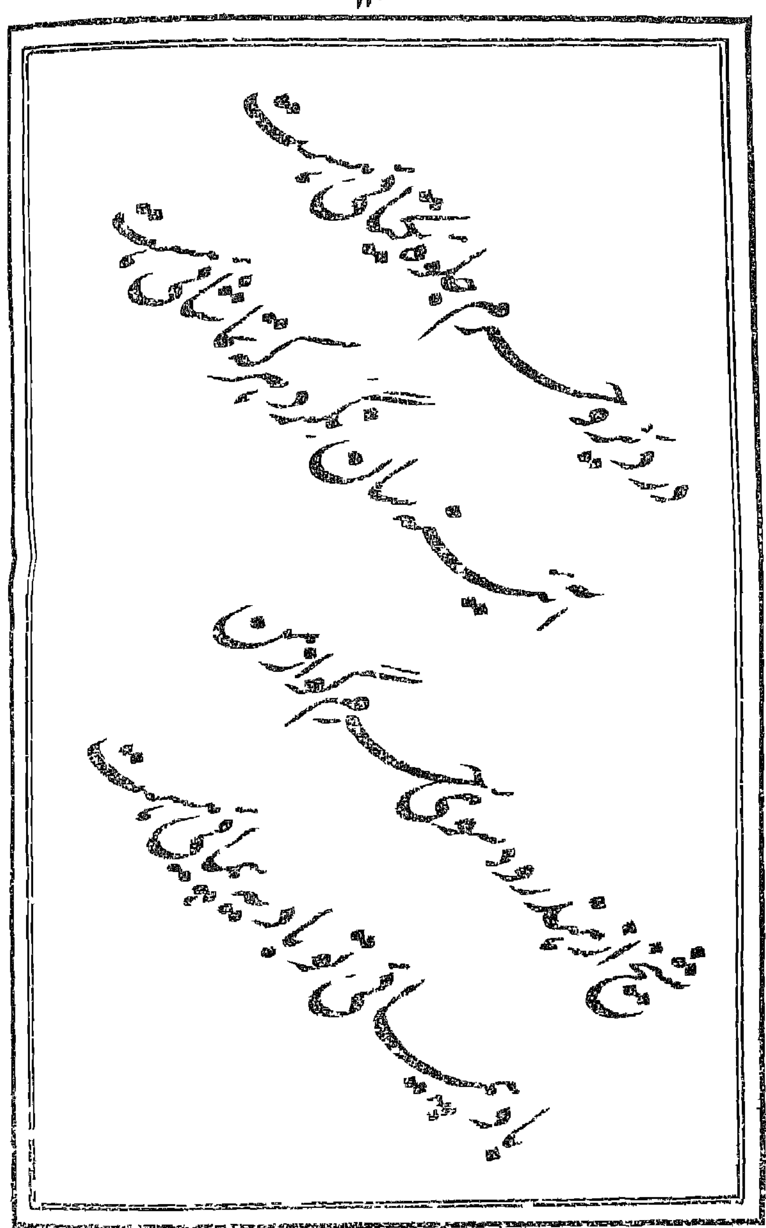


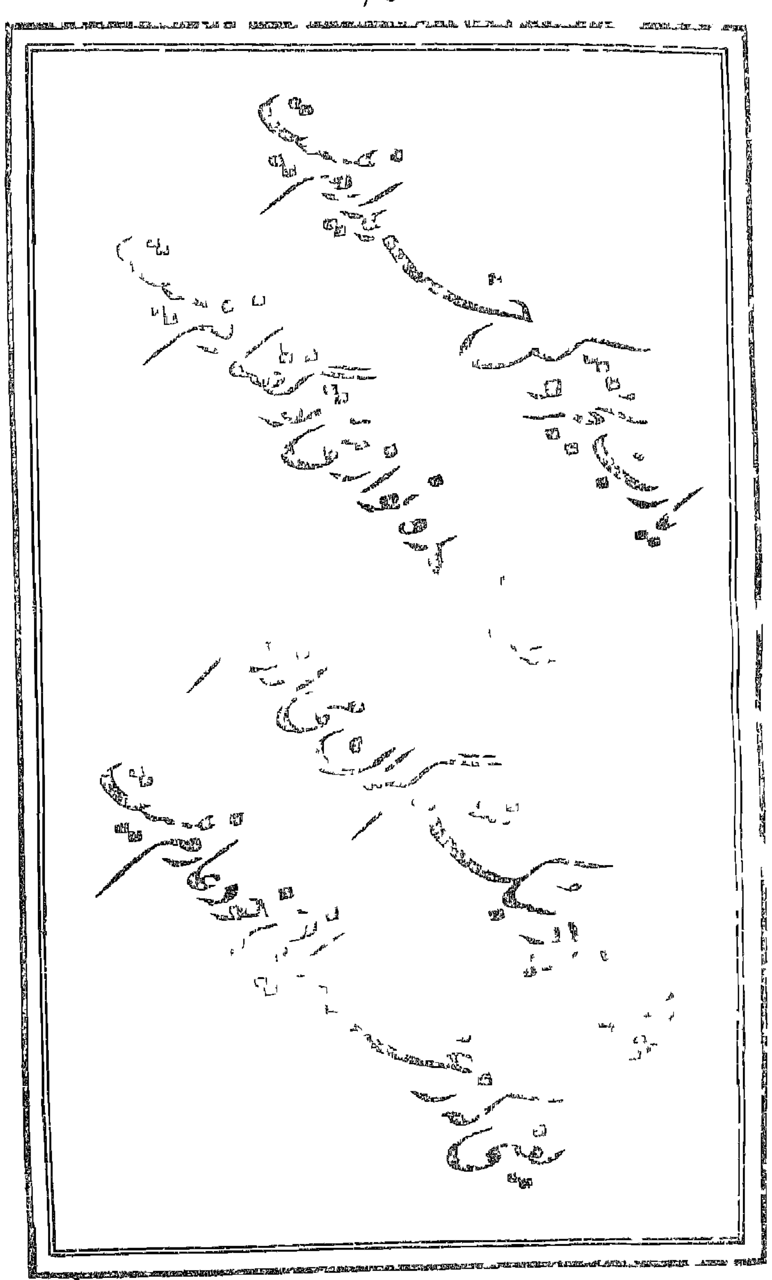


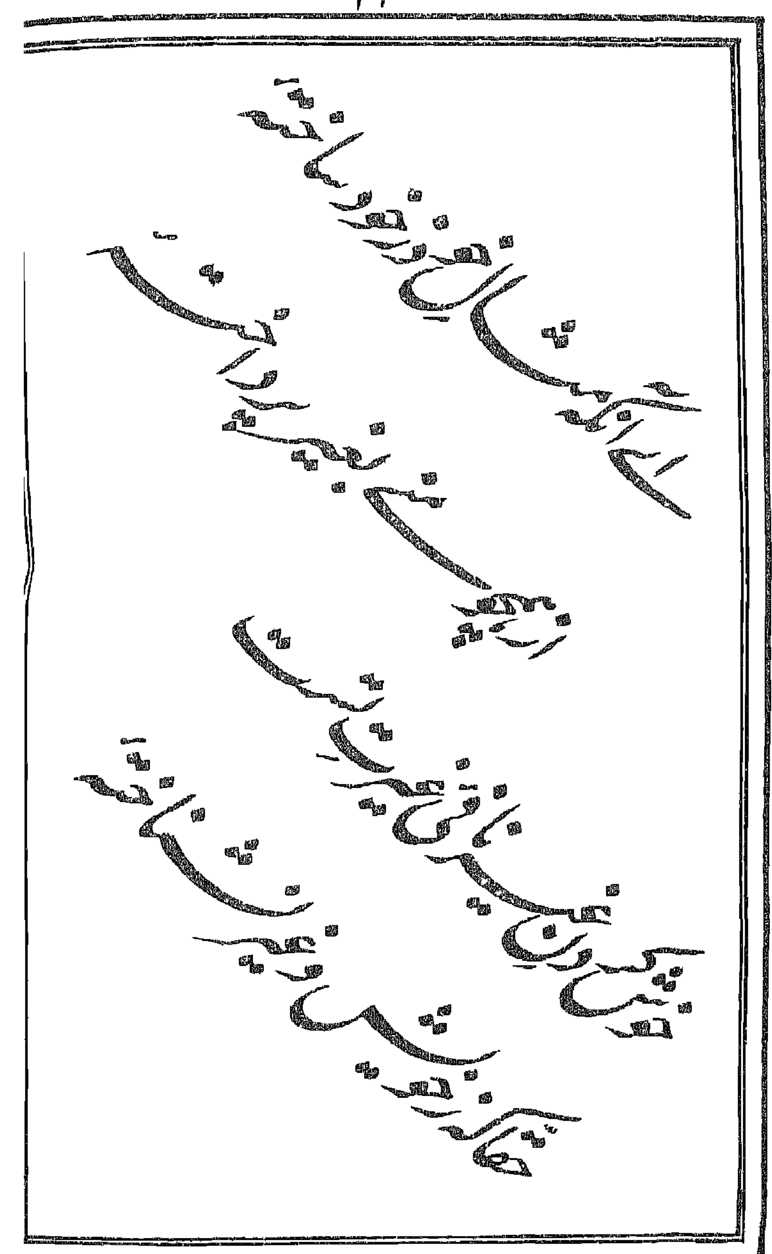


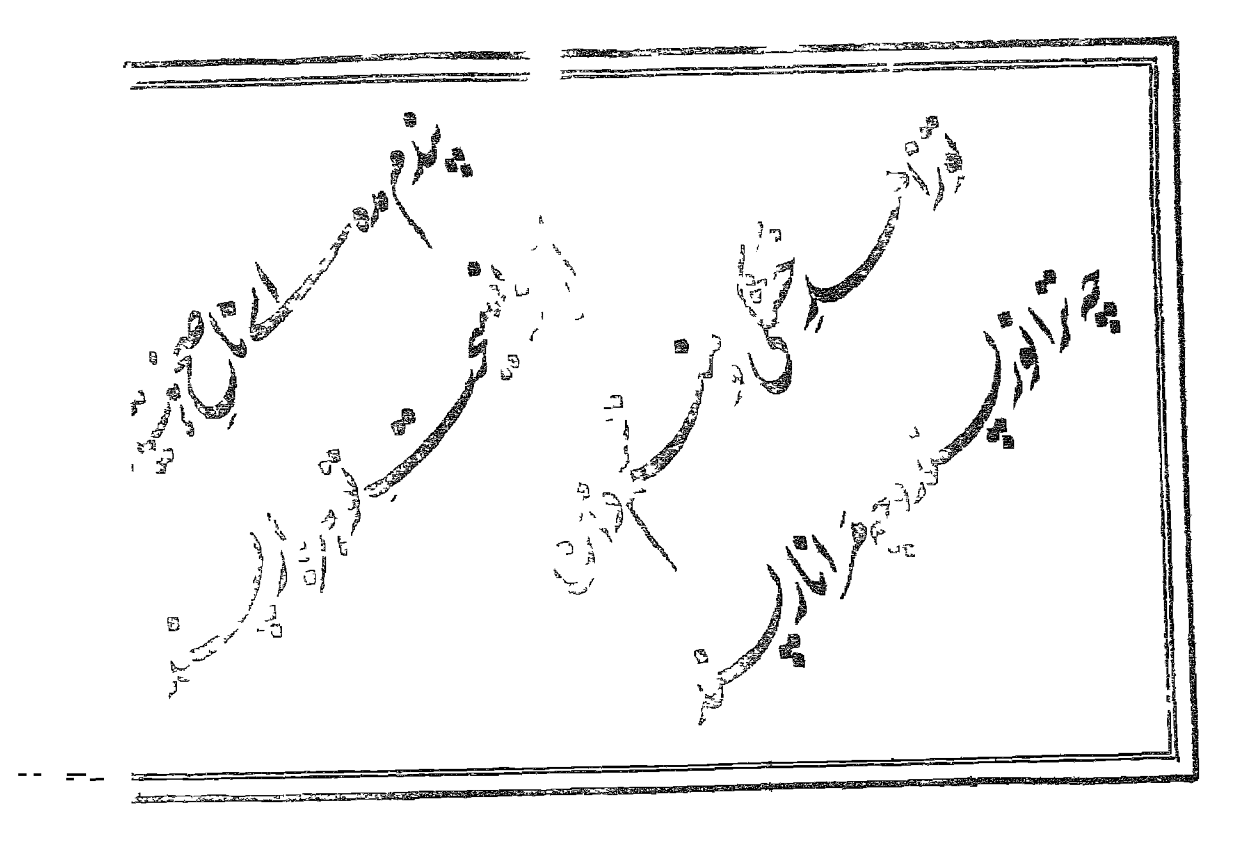


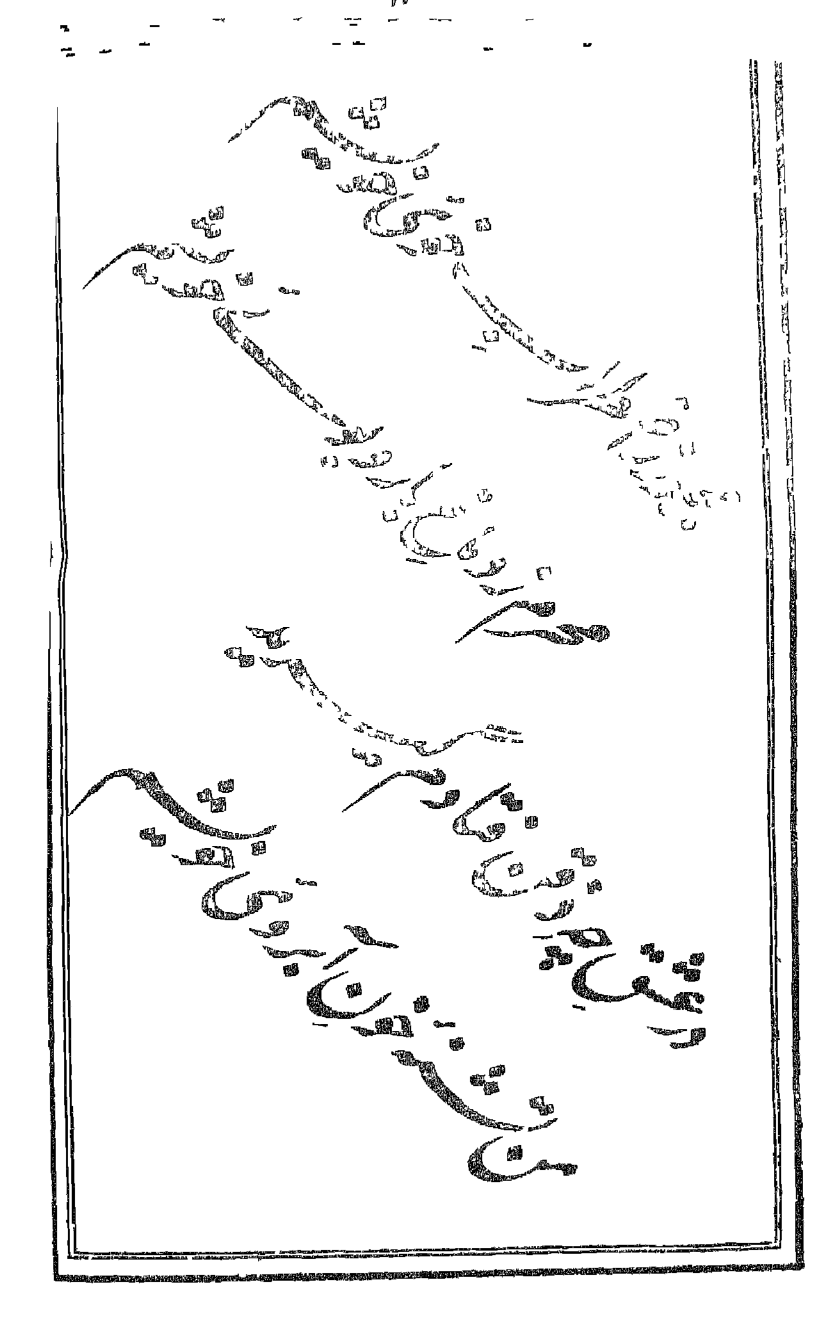




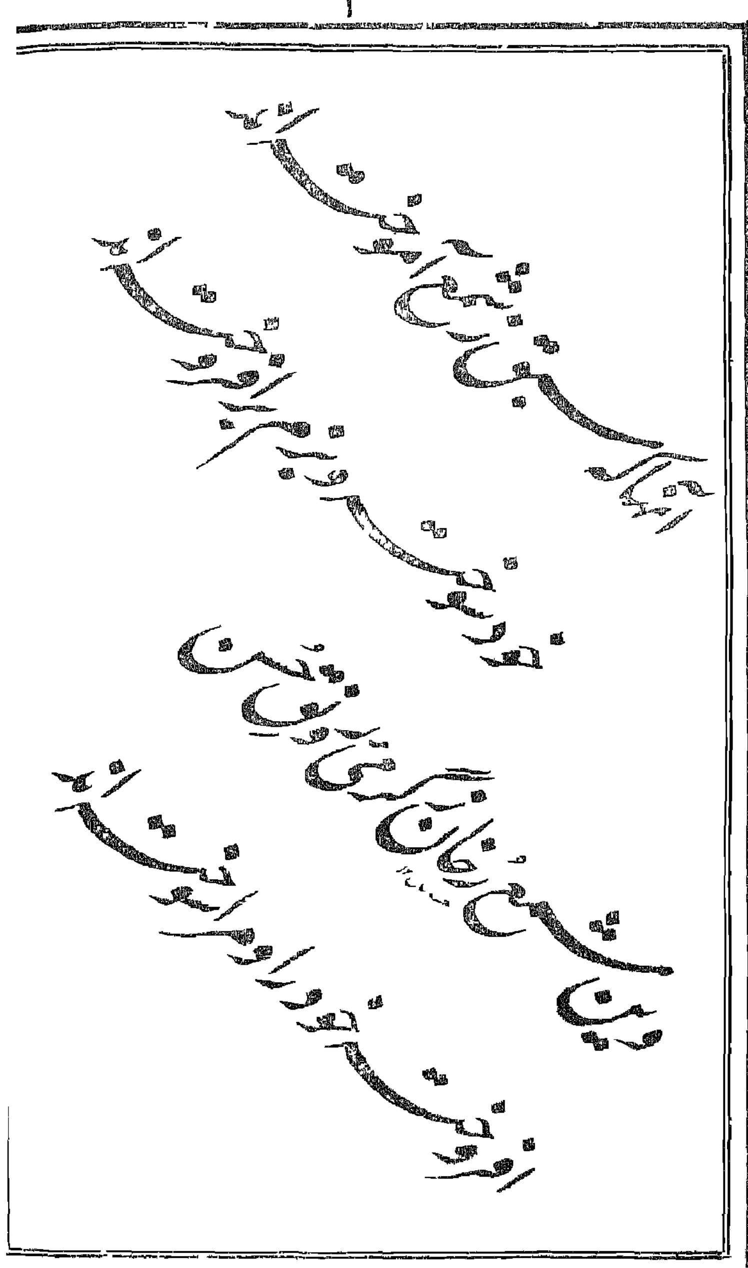


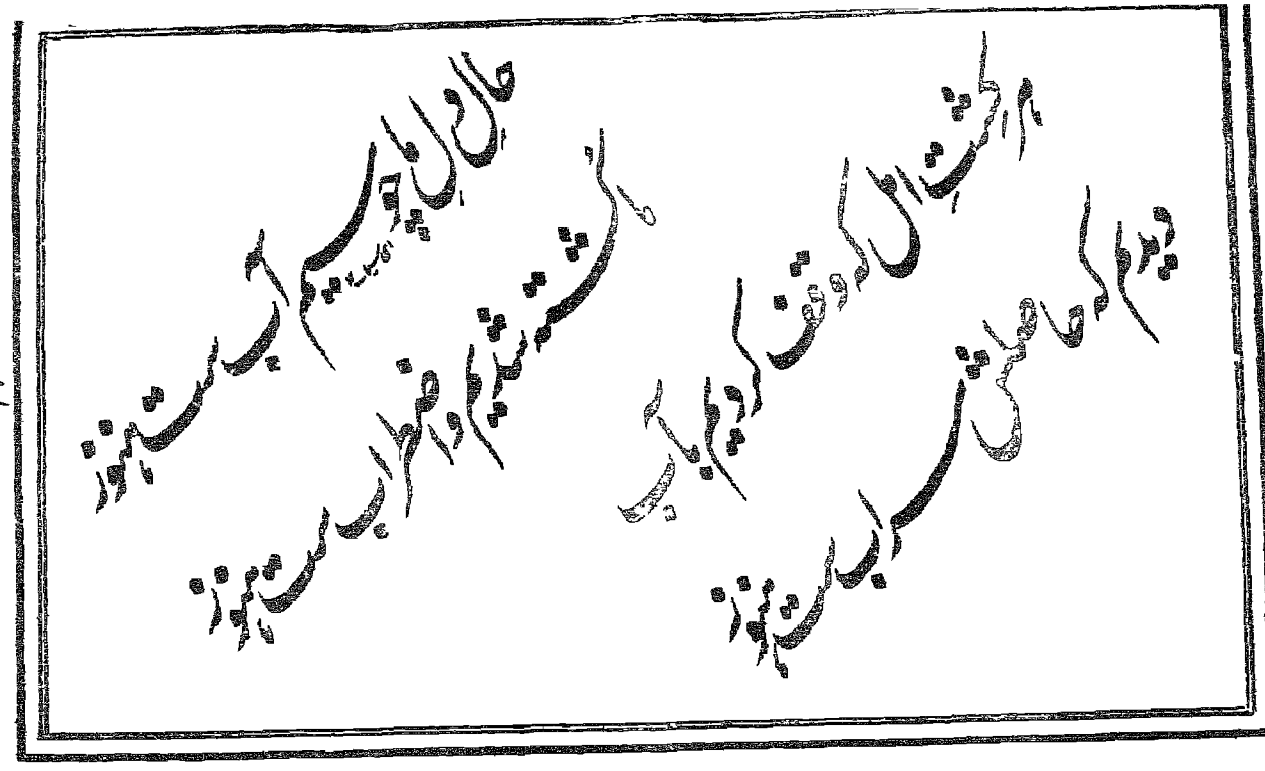




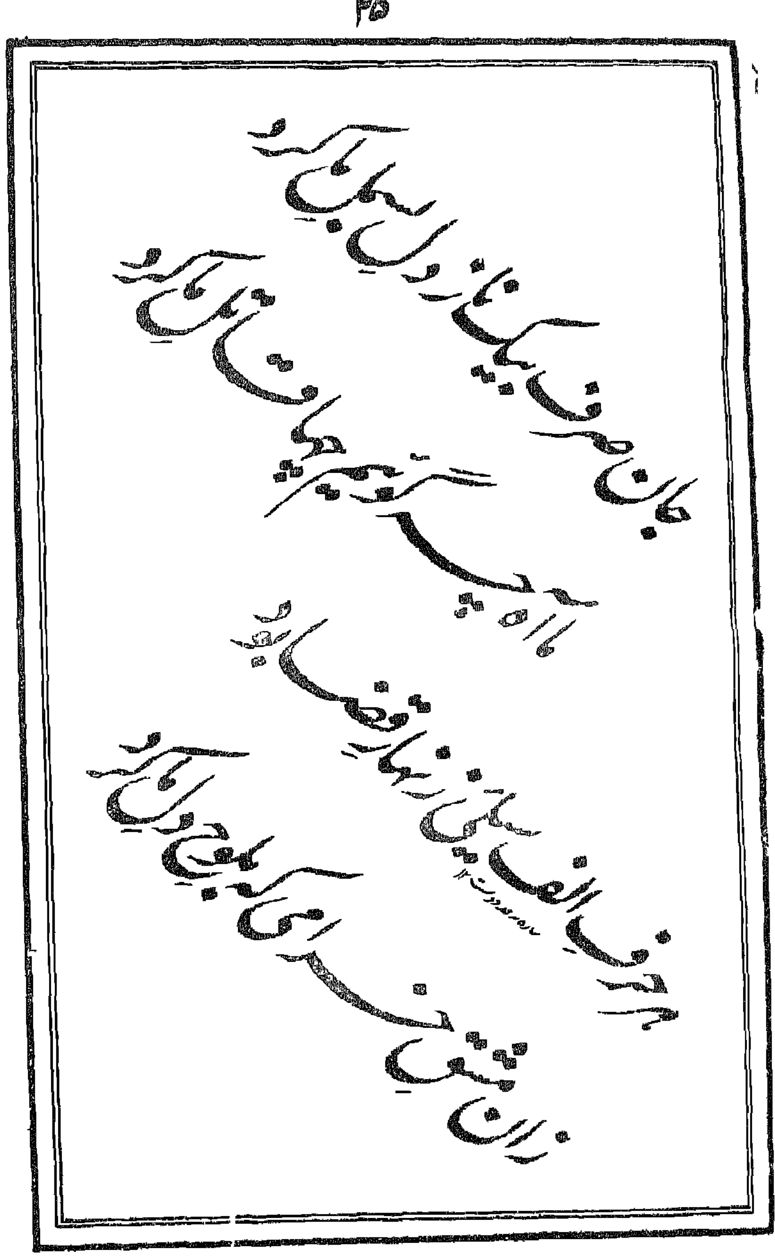


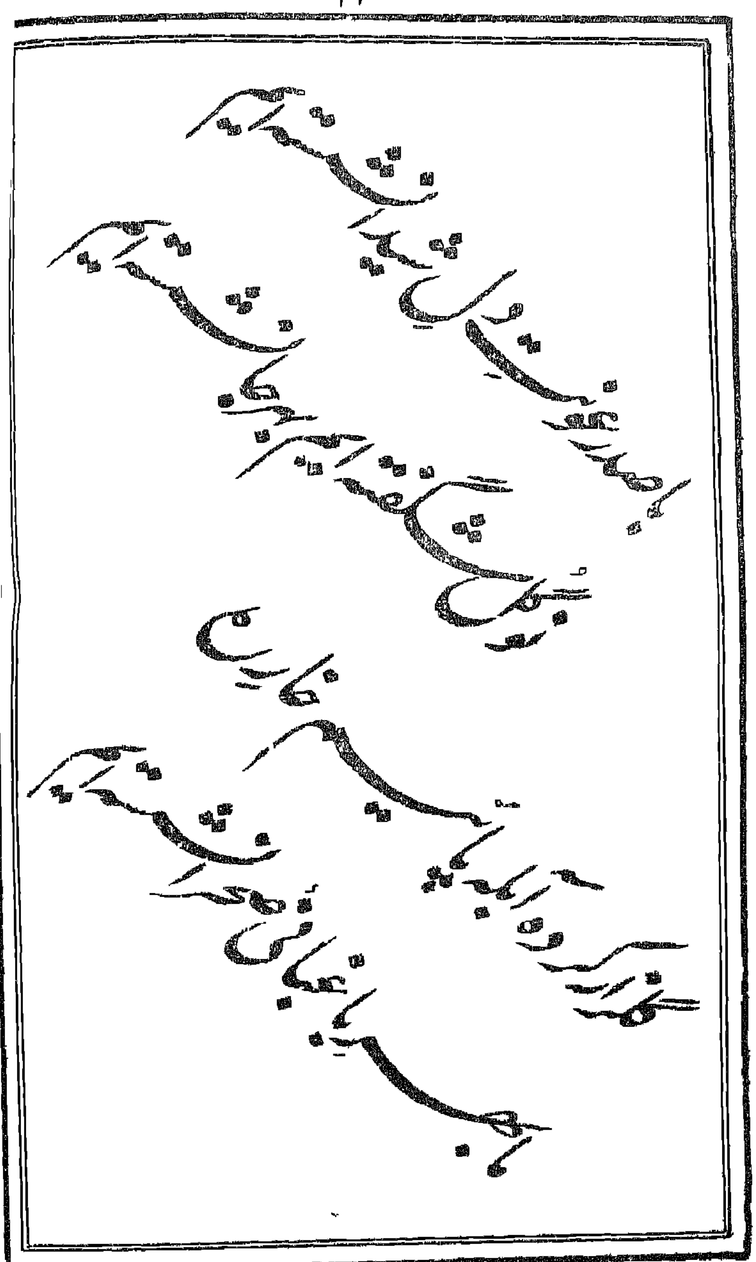
[illegible]




حال دل ما چو چشم پر آب است هنوز
سرگشته‌تریم و اضطراب است هنوز
هر کشت امل که وقف کردیم آب
دیدیم که حاصلش سراب است هنوز

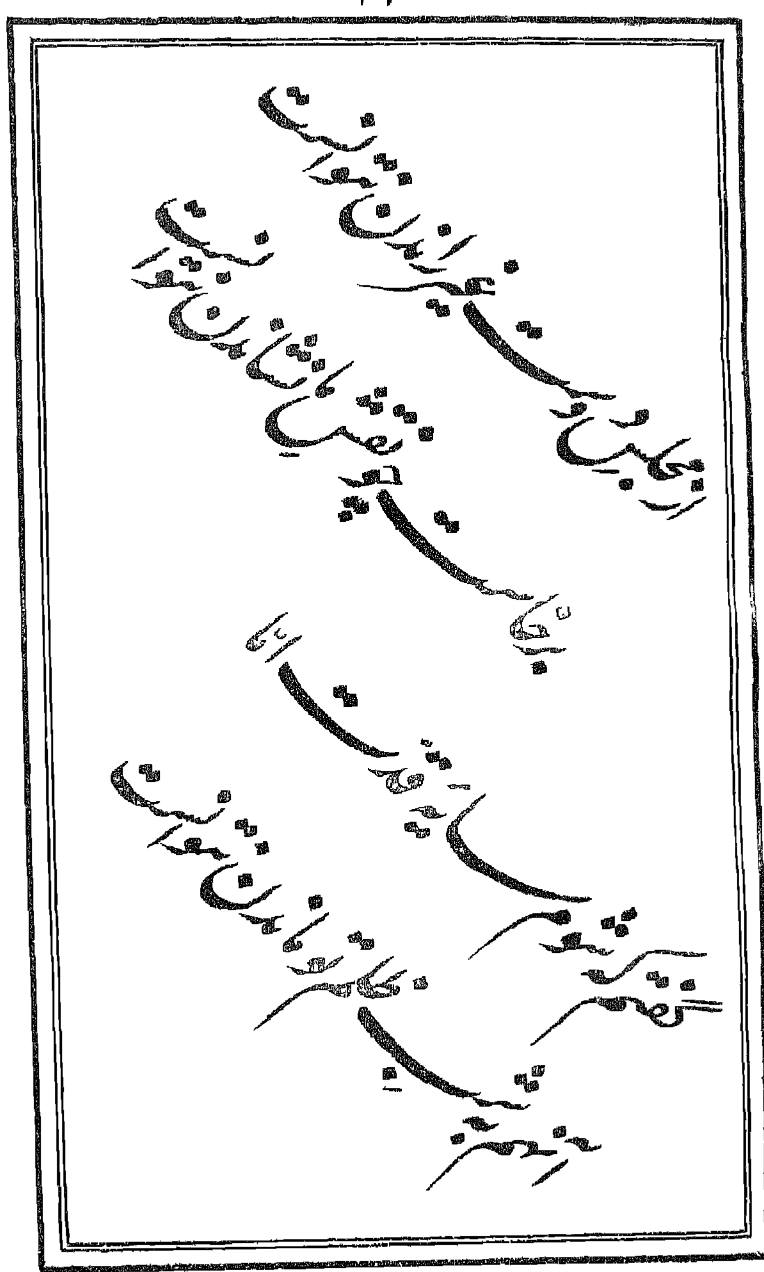


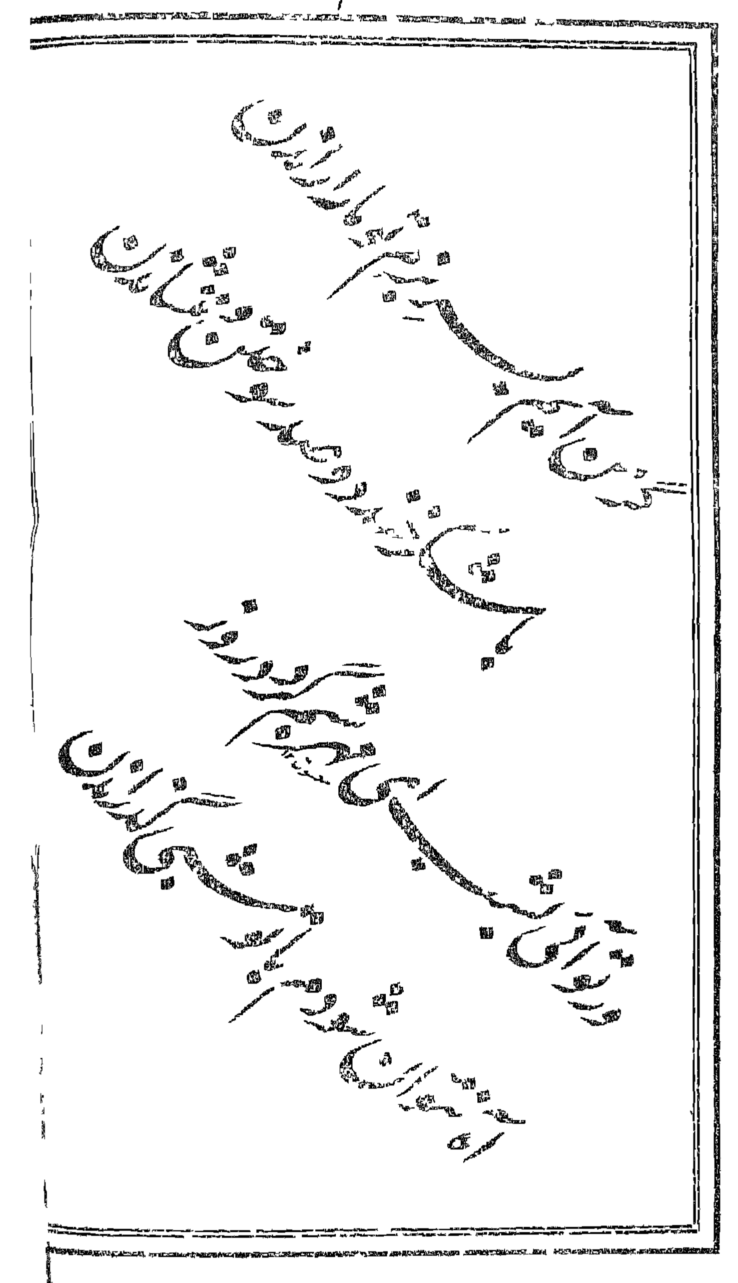


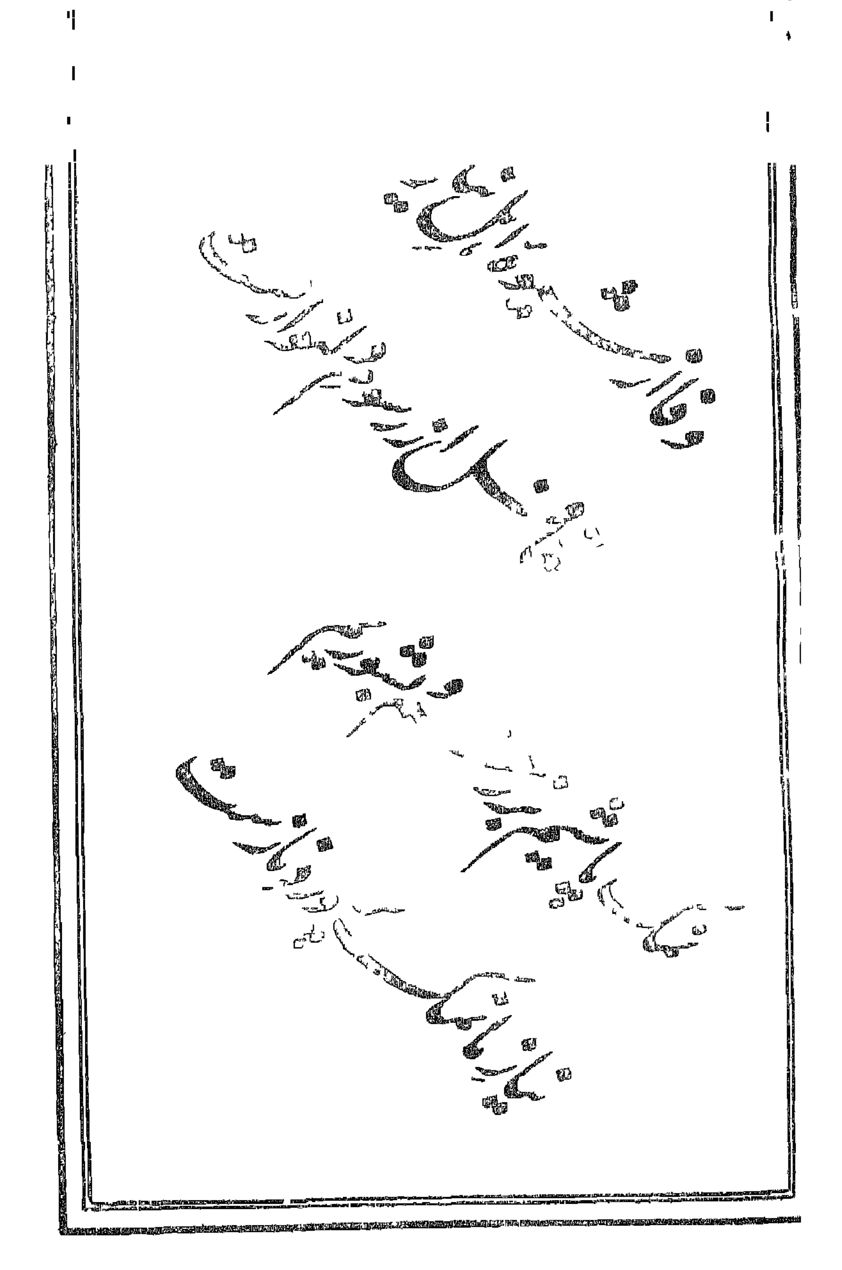












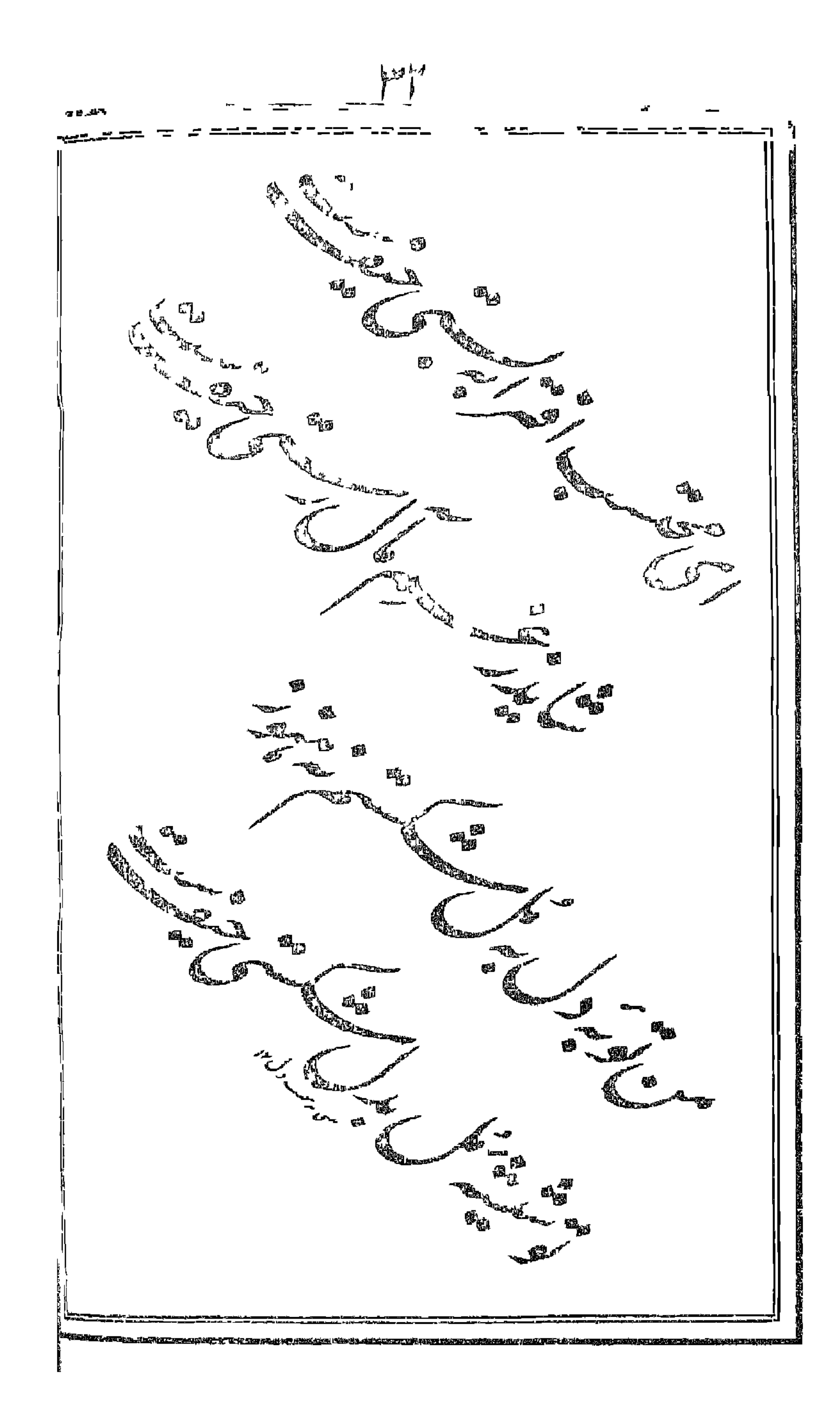
[illegible]

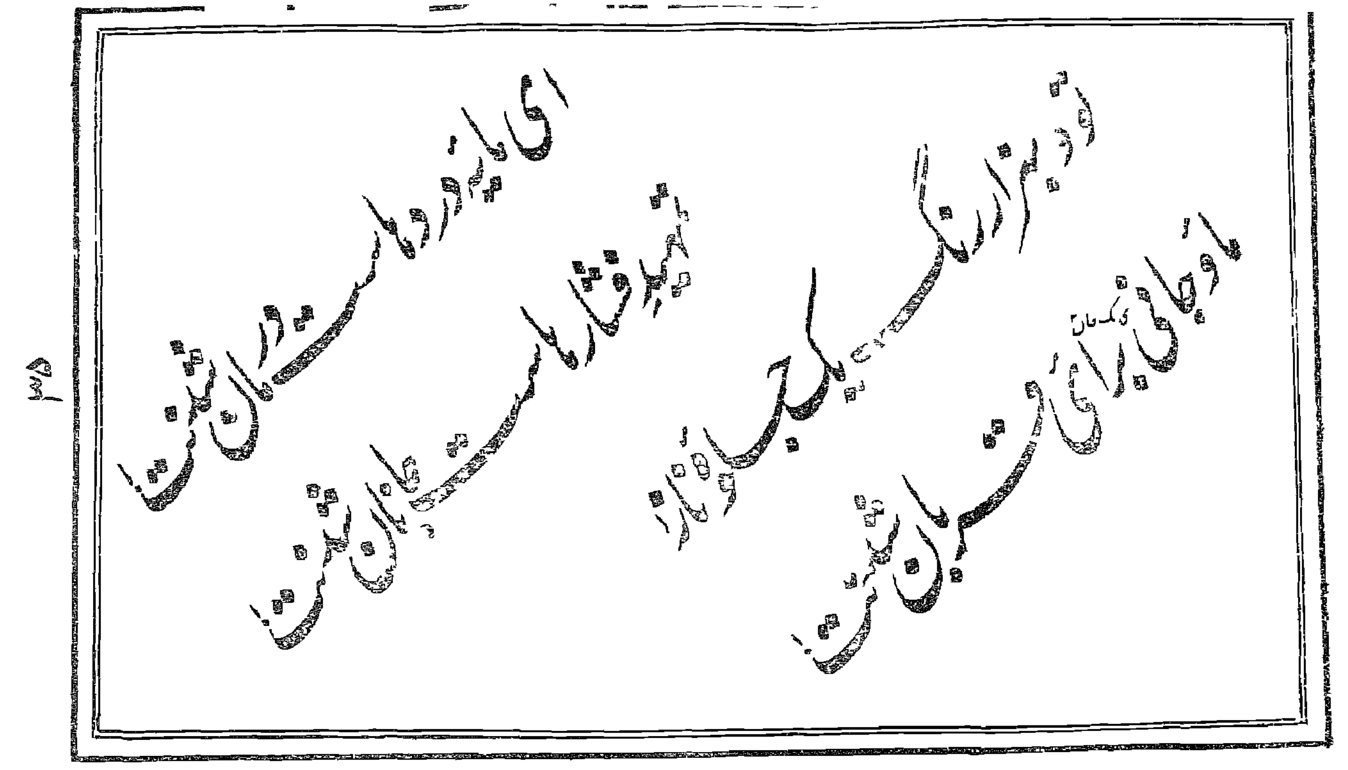
از درد دل غمین کسی آگاه نیست

[illegible]

[illegible]

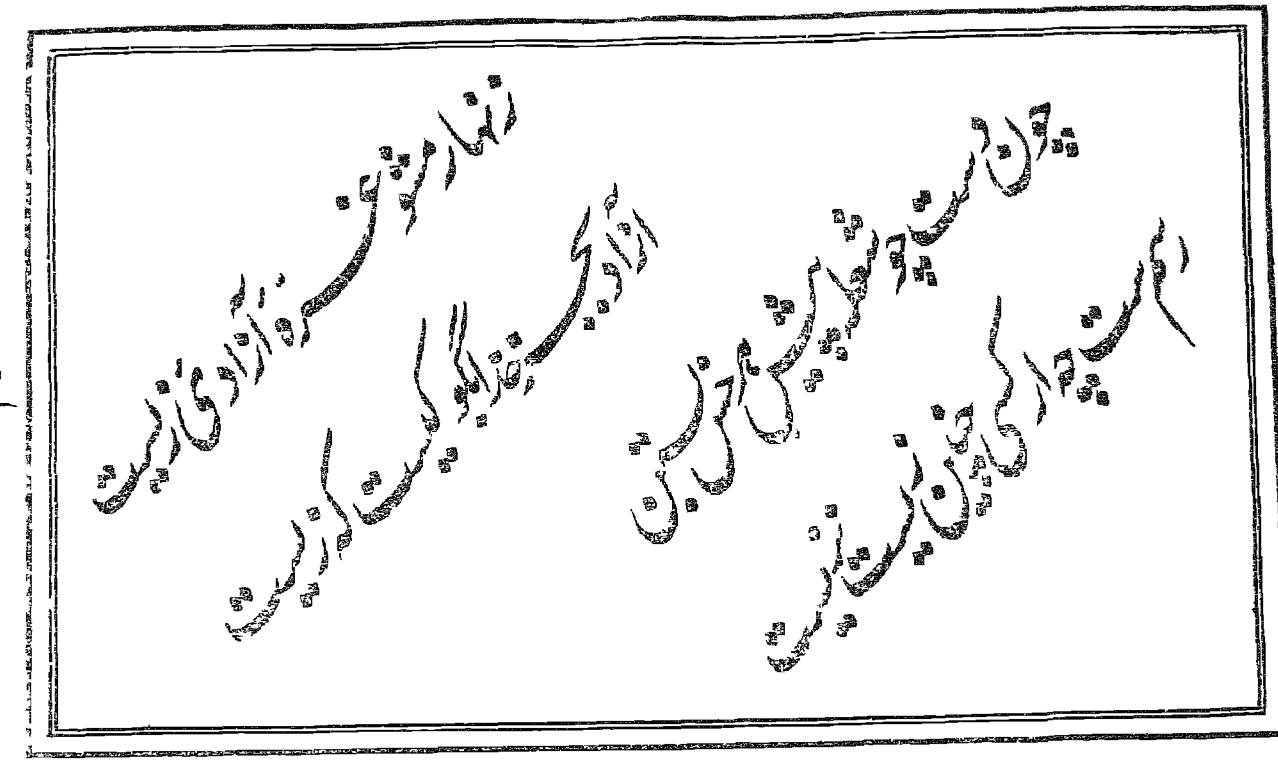
[illegible]





بیکسان از [illegible] آزادست
بال [illegible] آزادست

[illegible] بسمل آزادست
[illegible] آزادست



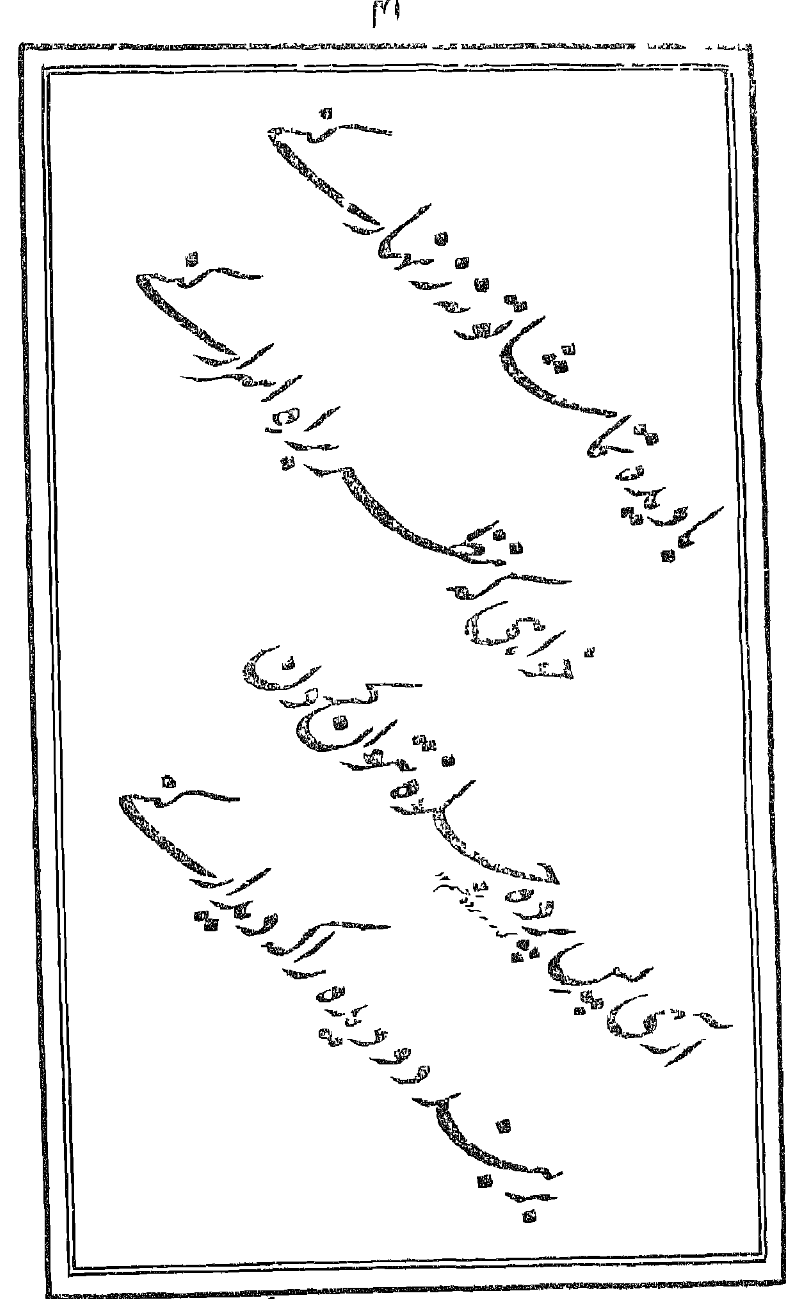
ای [illegible] تو پیش [illegible] سخن

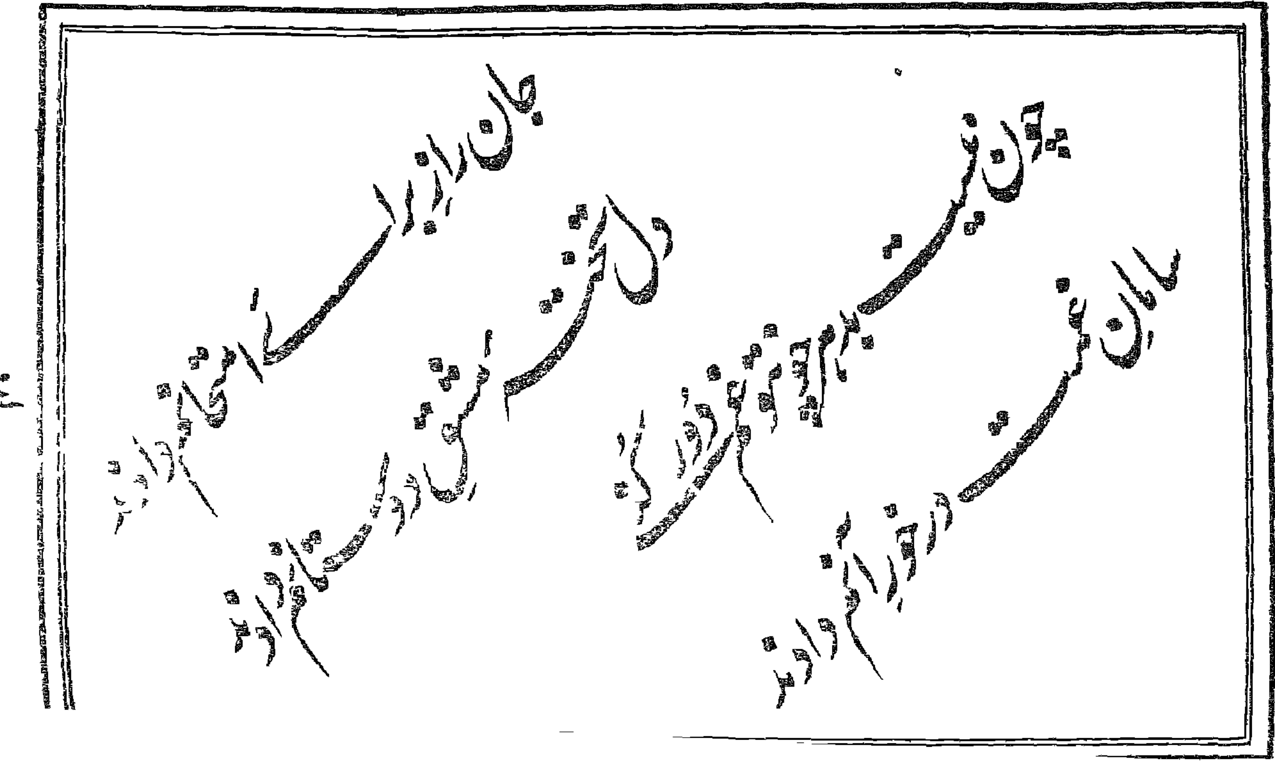
دیگ[illegible] پیش [illegible] سخن

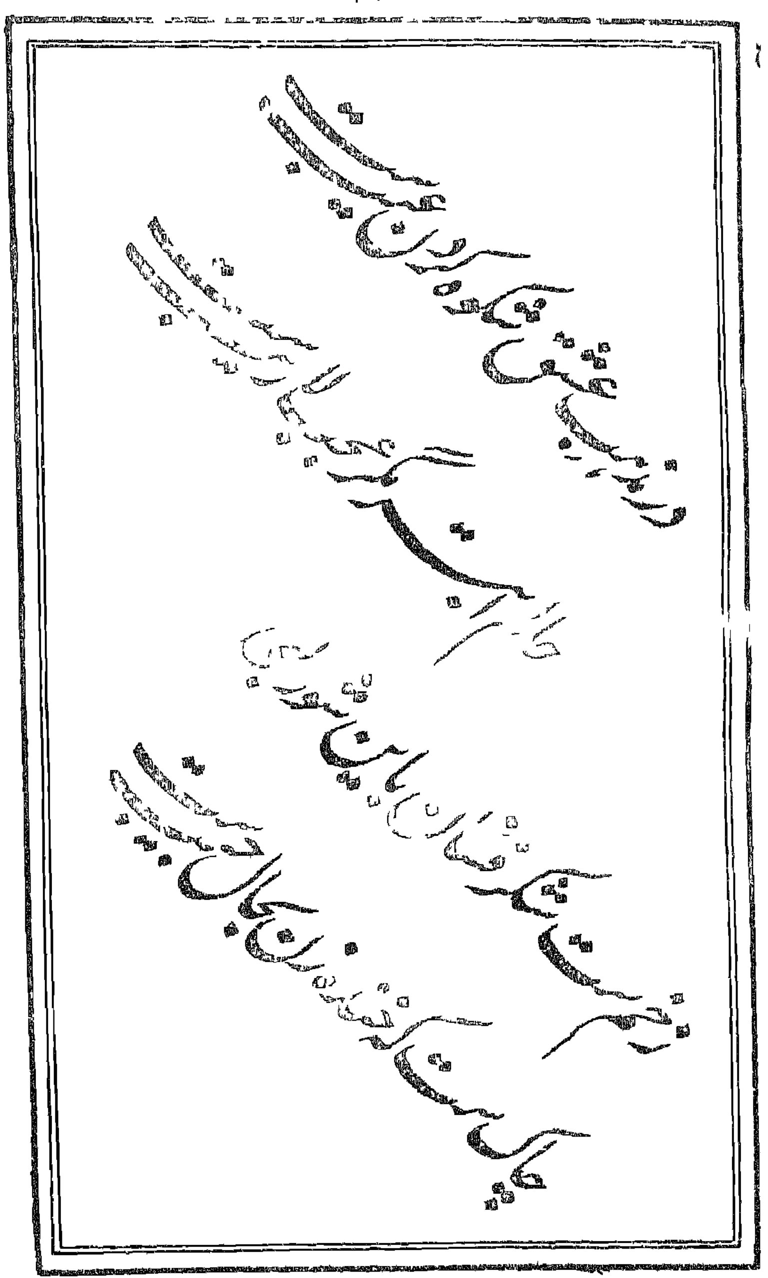
[illegible]

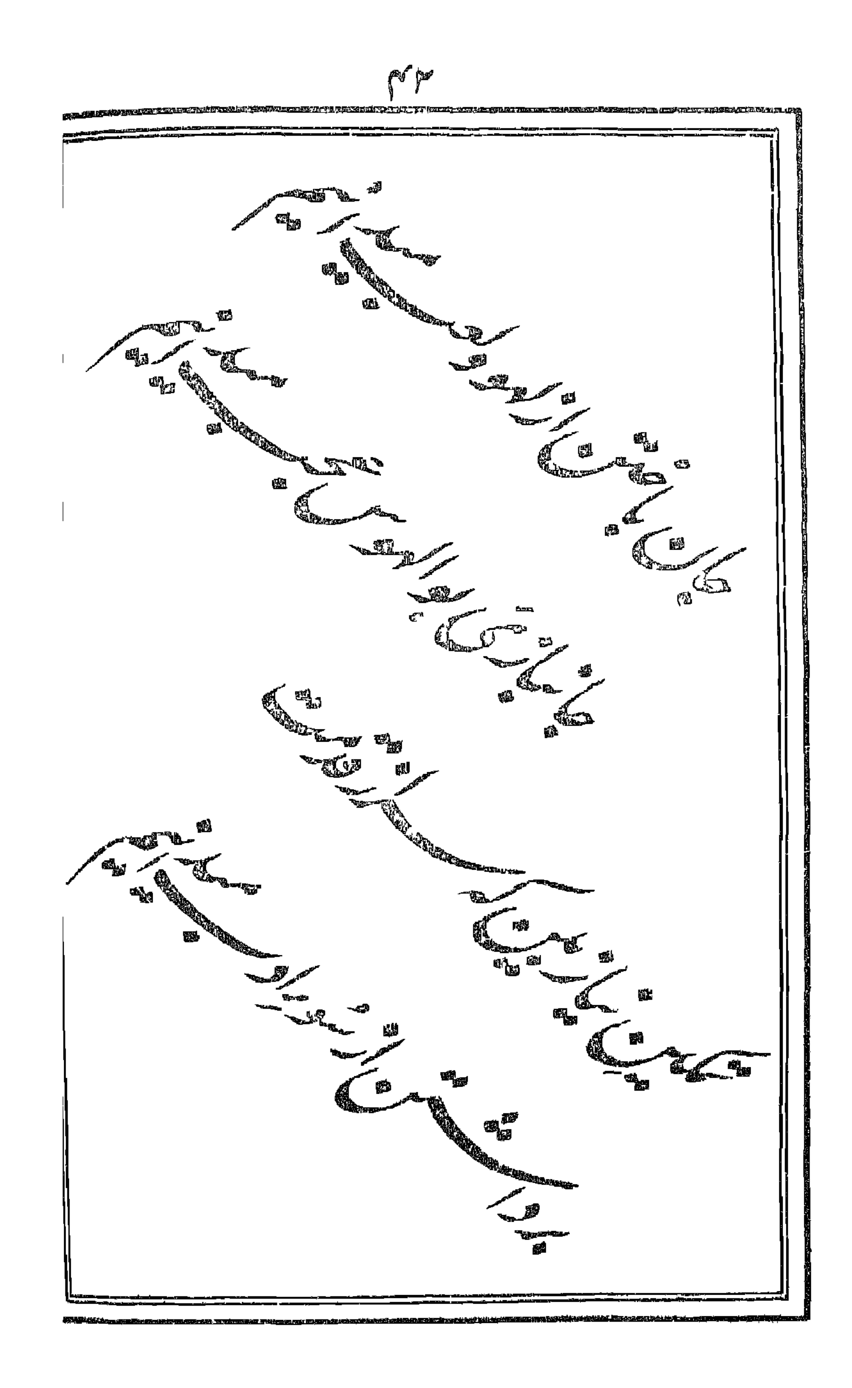
[illegible] پیش [illegible] سخن











با هیچ کس این جهان وفاداری نیست

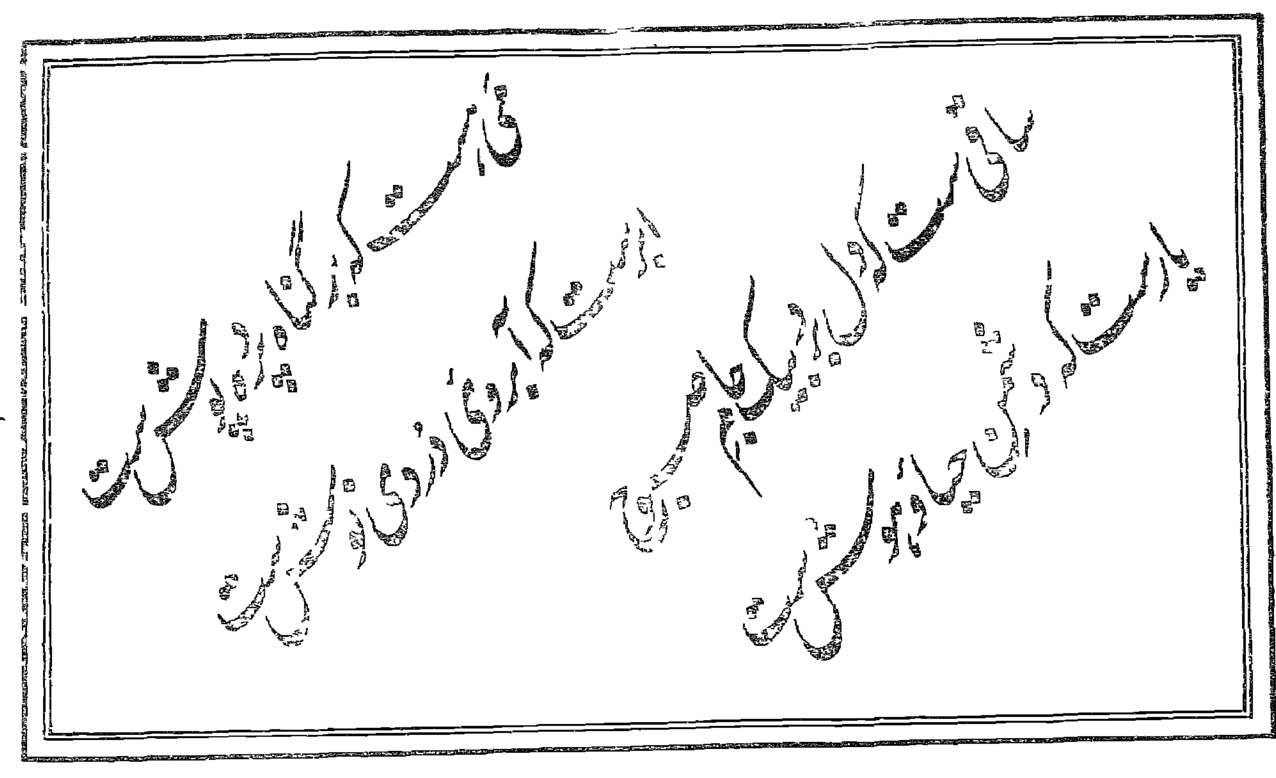
وز نقش سپهر آمد و آزادی نیست [illegible]

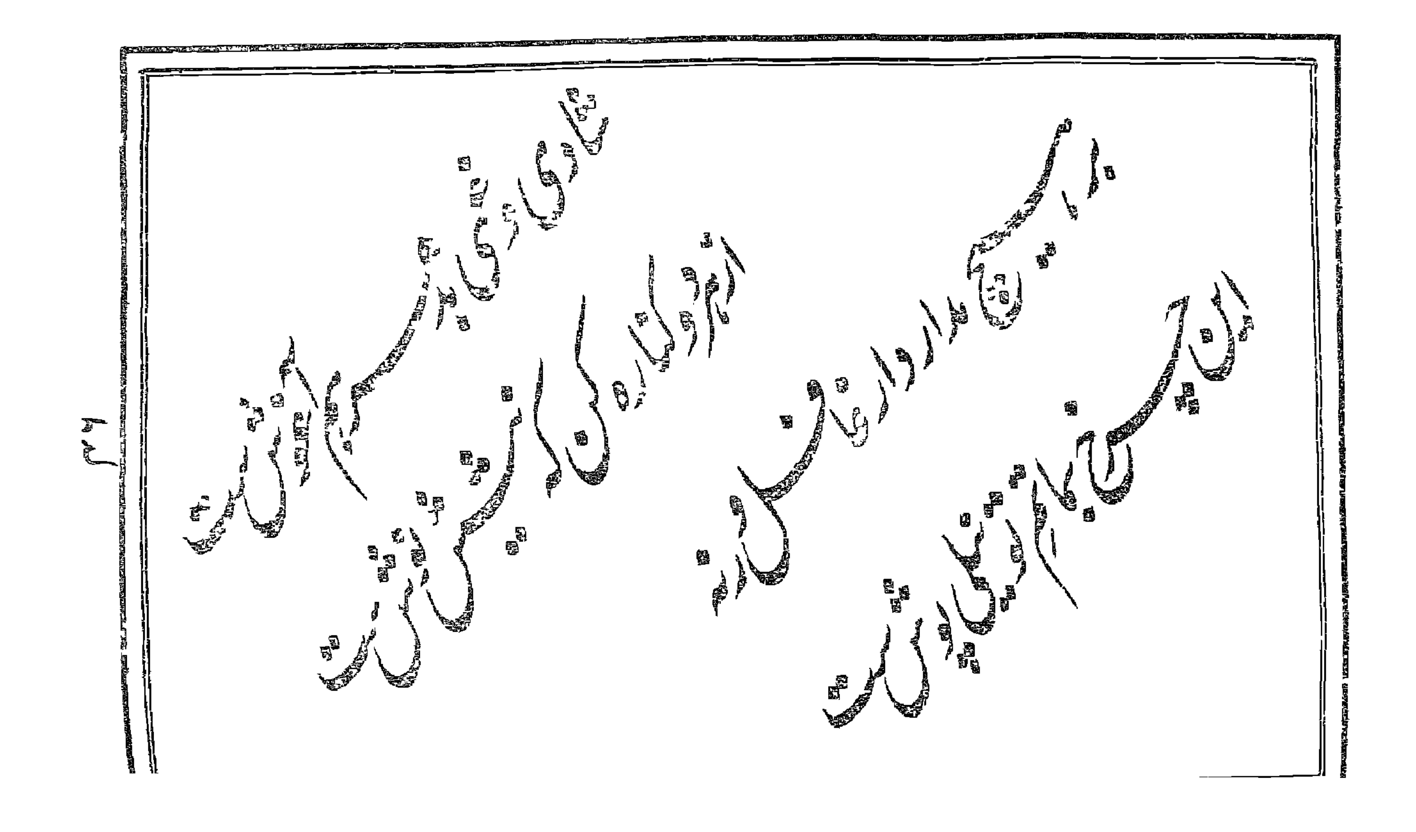
باید که ز آمد و شد [illegible]

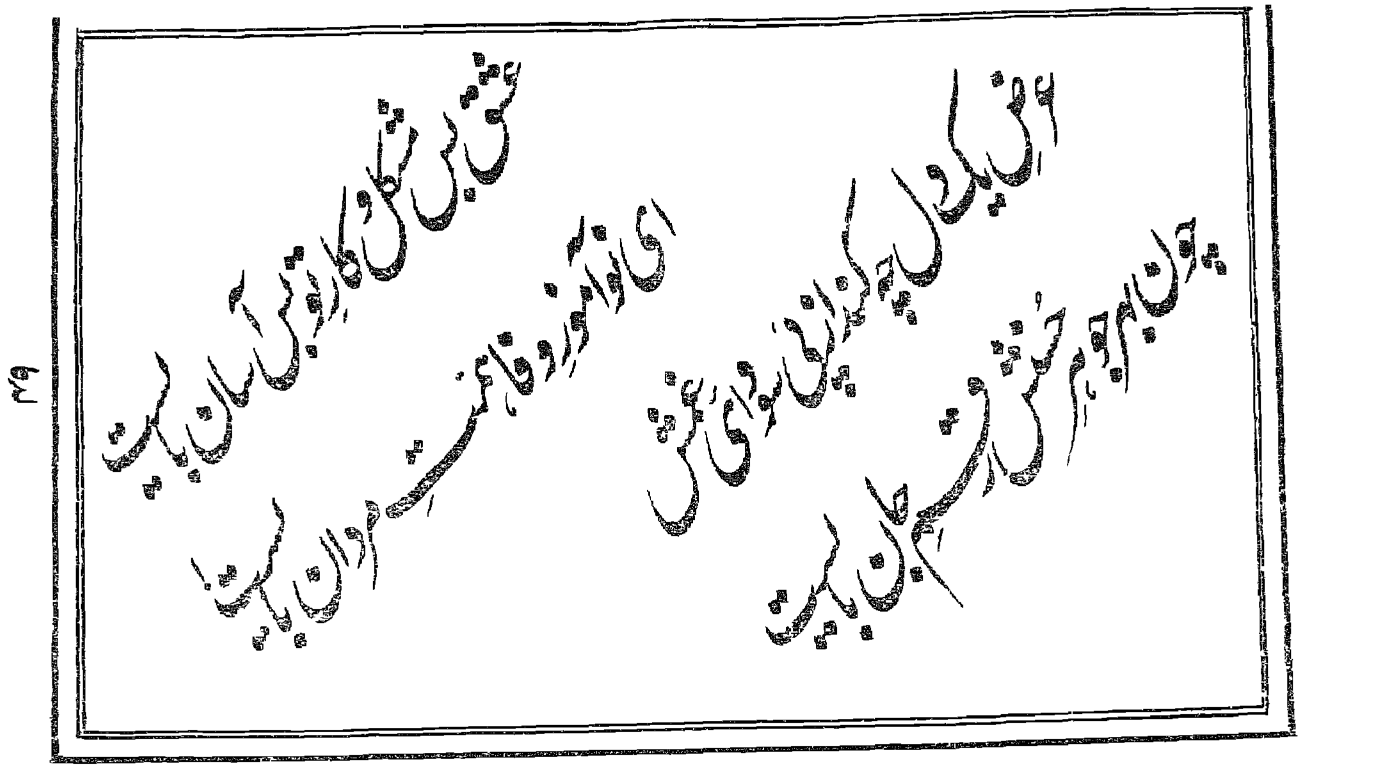
آنکس که [illegible] باید زیست

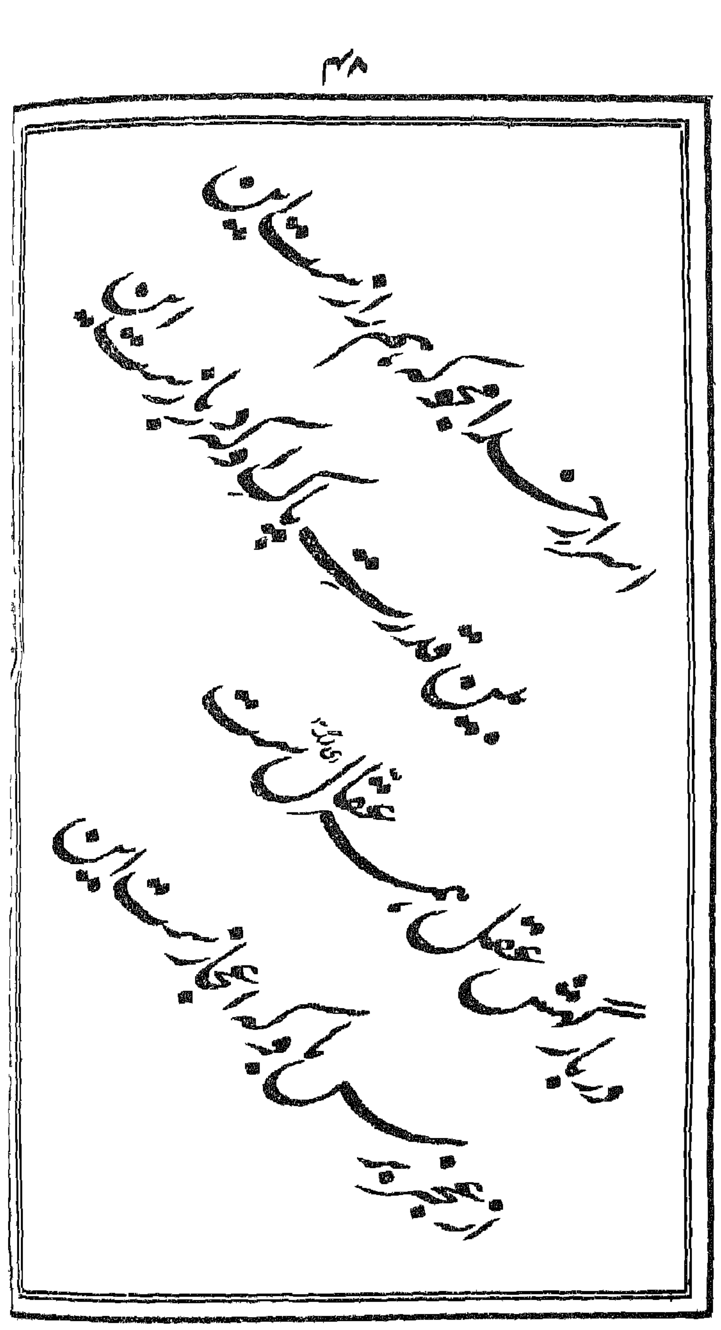
ما حکم که شعار عارفان این است
در پای کسی دل وفا آئین است

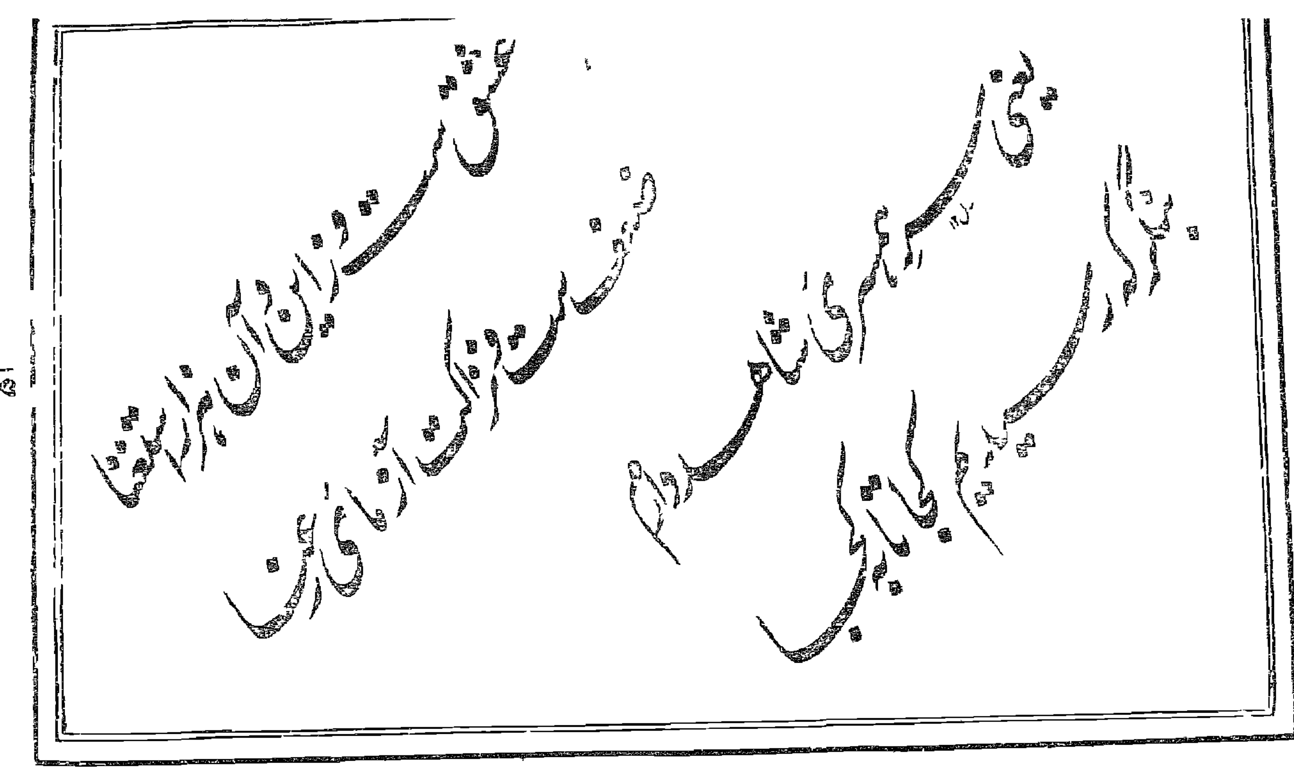
در مسلک ما عشق نیست ما را
بیچاره کسی که بی تقوی ایمان است



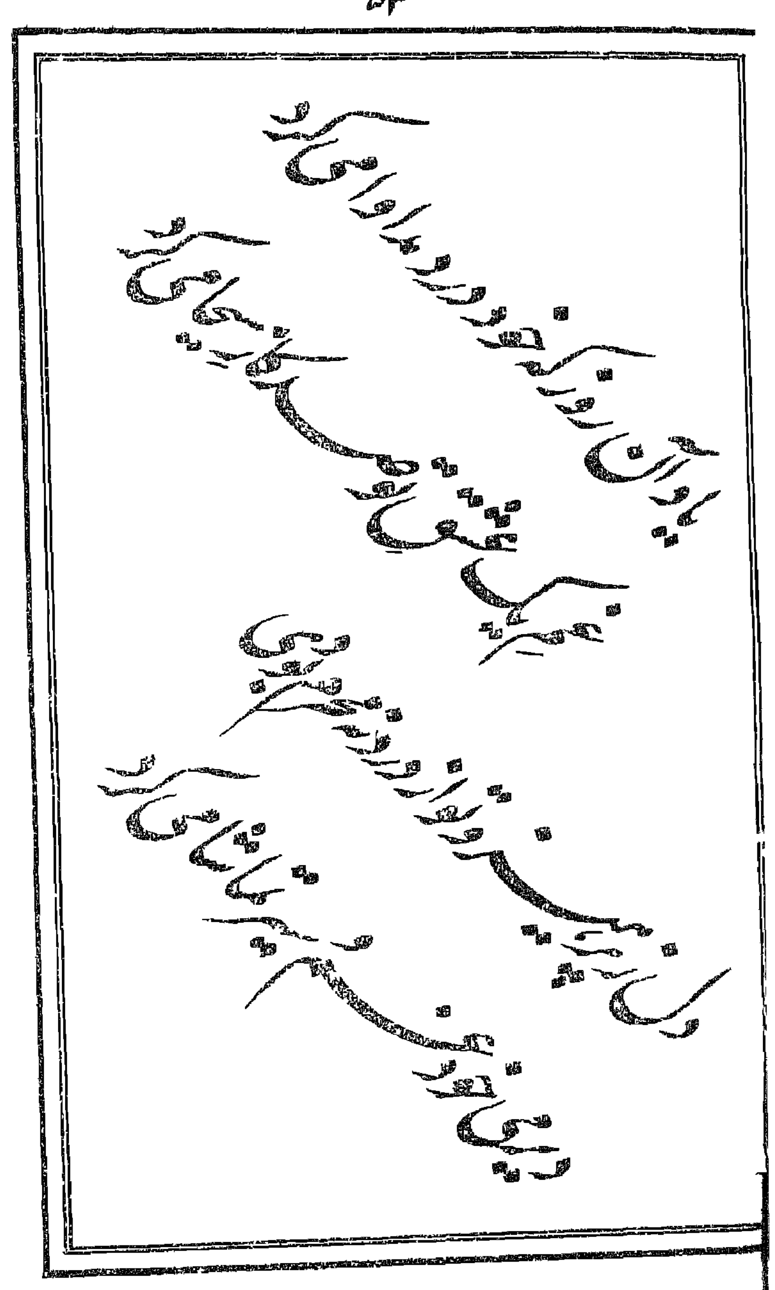



عشق بس مشکل و کار نه چنین آسان بایست
ای نوآموز وفا همت مردان بایست
عرض یک دل چه کنی در سودای عشق
چون بها جوهر حسنش همه جان بایست

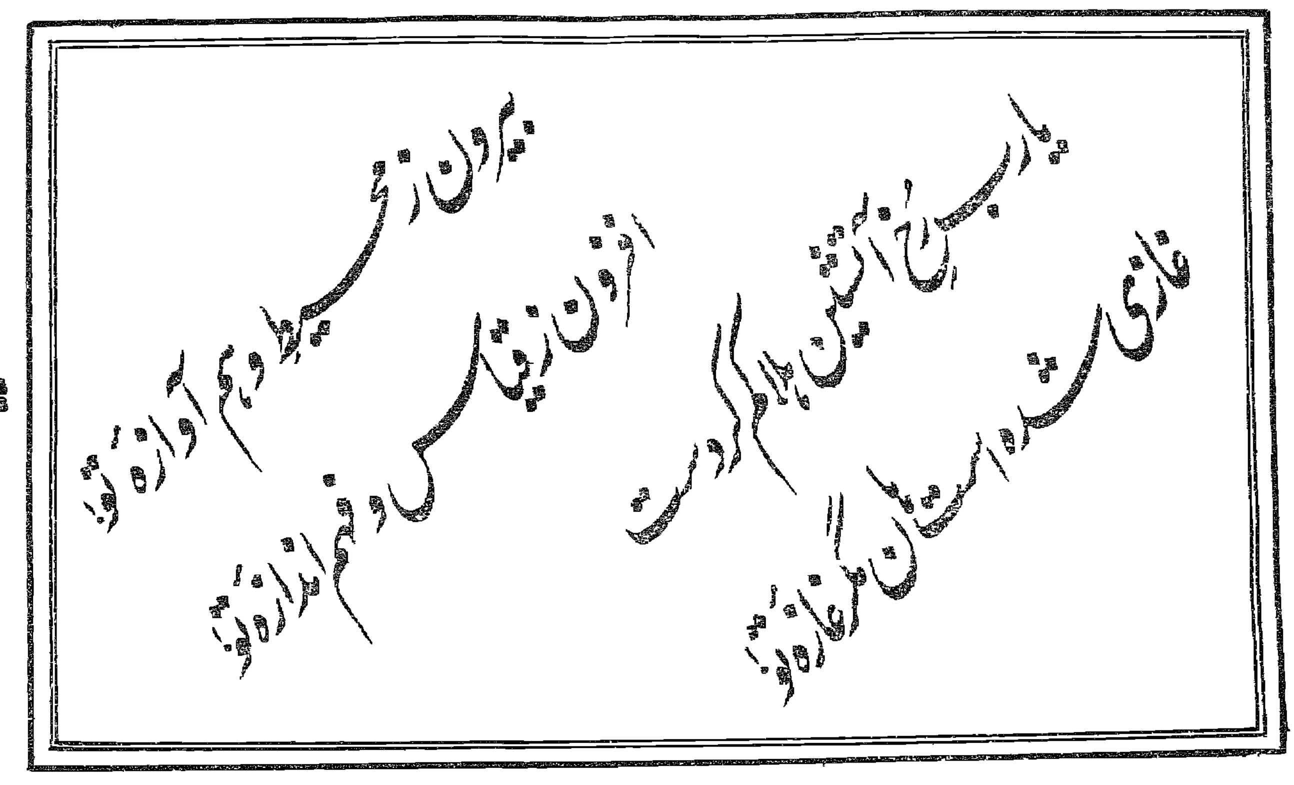











بیرون ز محیط وهم آوازهٔ تو
افزون ز قیاس و فهم اندازهٔ تو

۱۳۲۰ھ

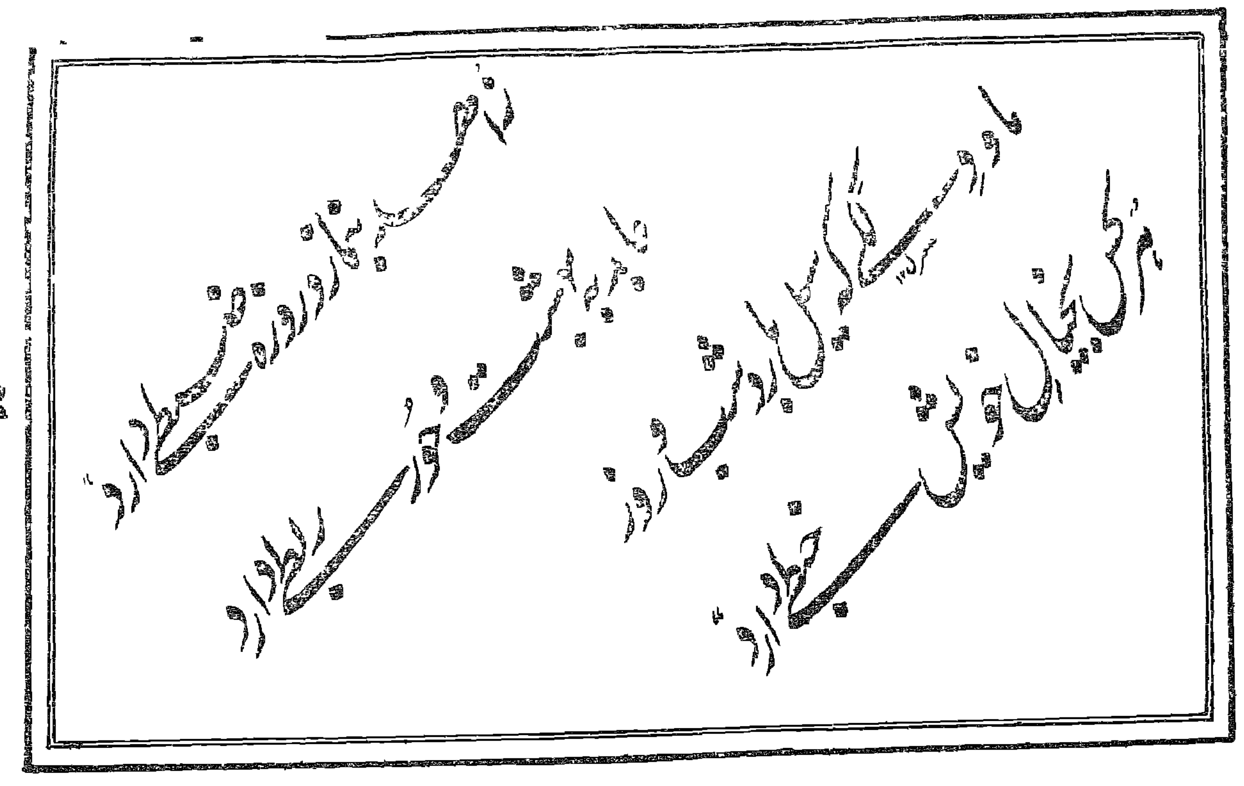
اسرار نہان چنانکہ اندر دل ماست

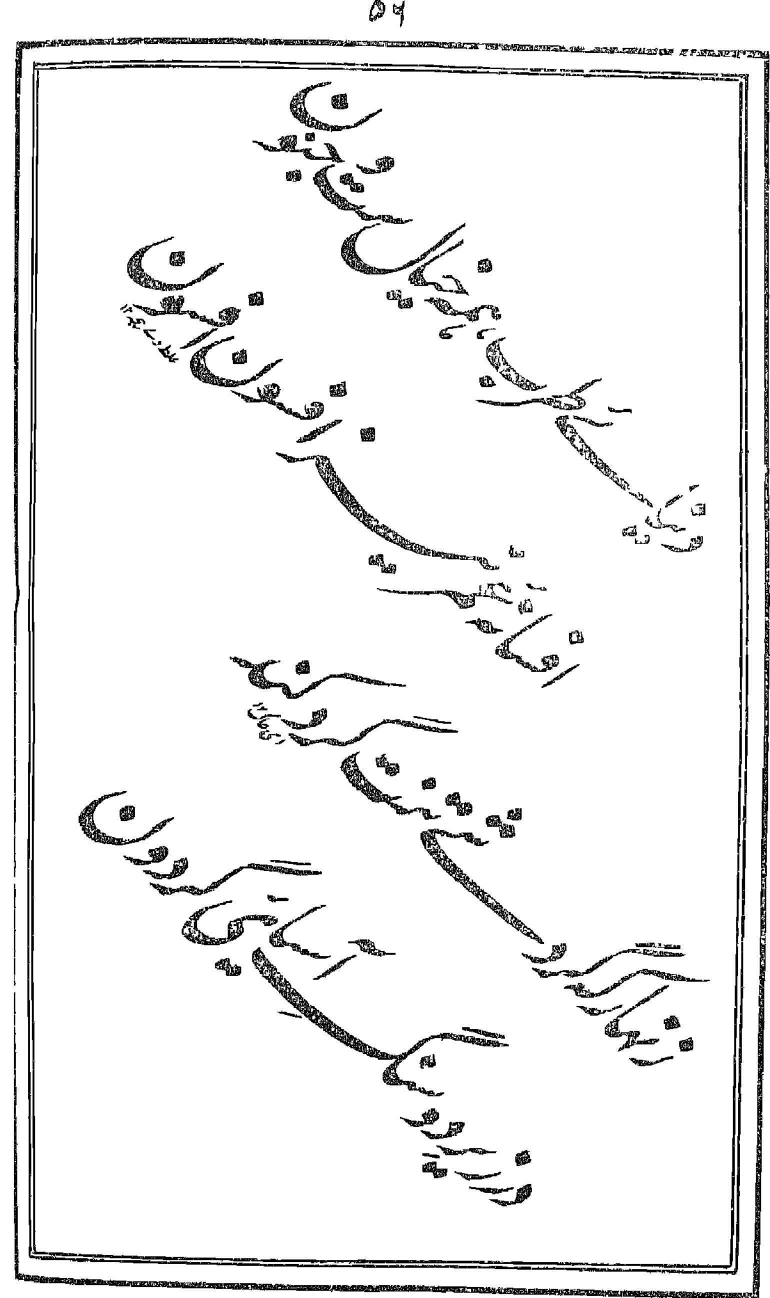
یک یک ہمہ پیش تو پیدا و عیان است

زینت عشق نہفتہ ہست بہ سینہ نہان است

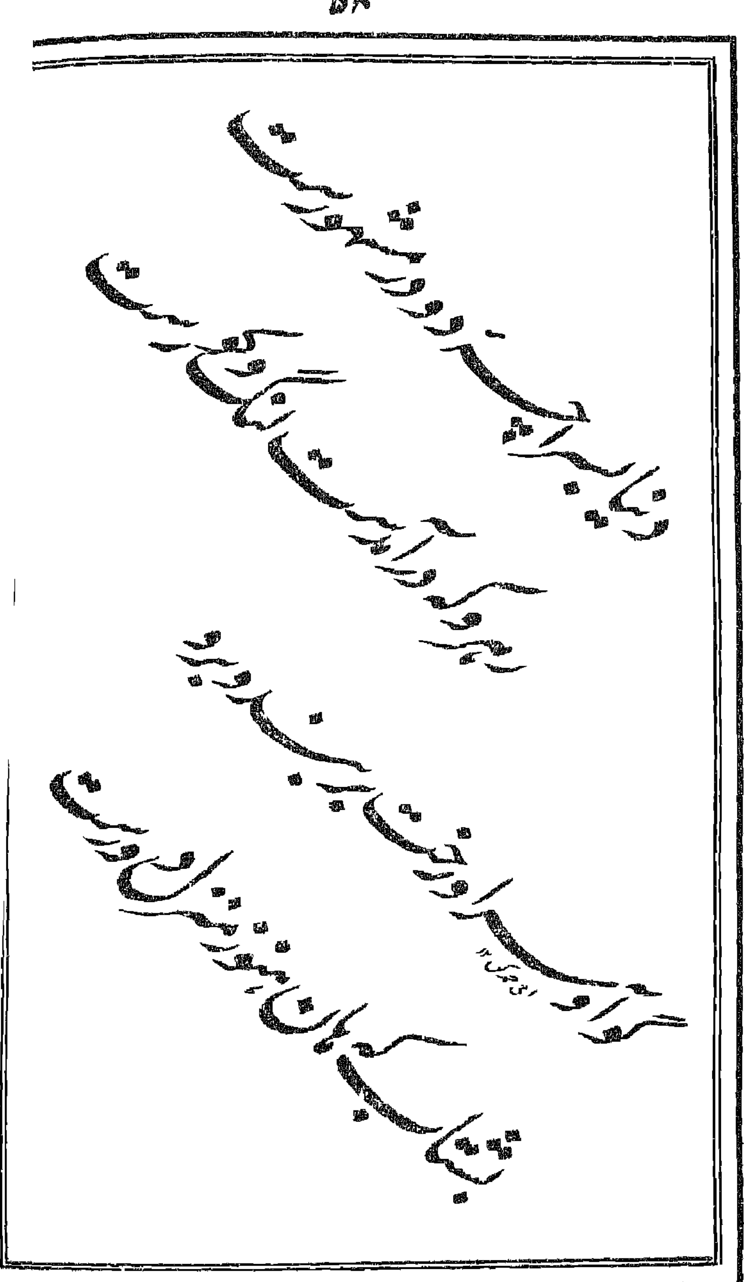
قدر دادہ شیرازہ

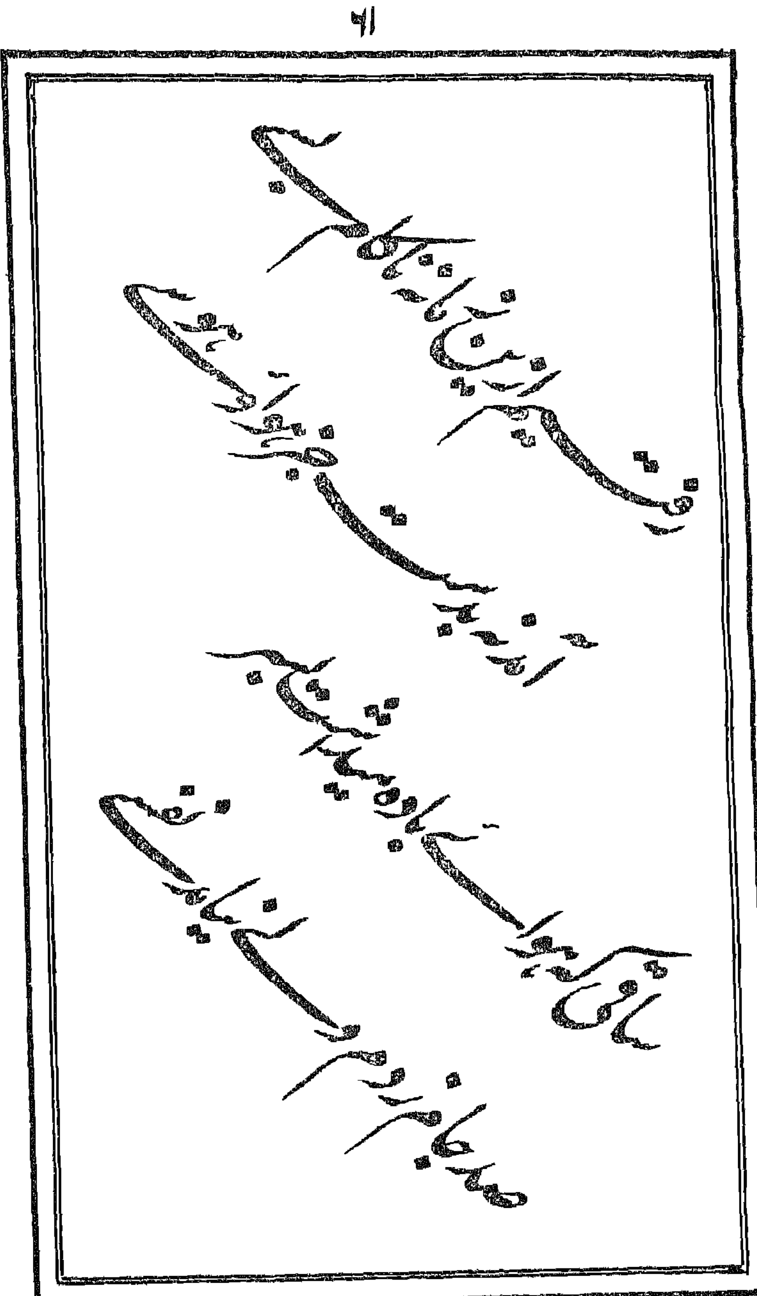
مطابق ۱۹۰۲ء

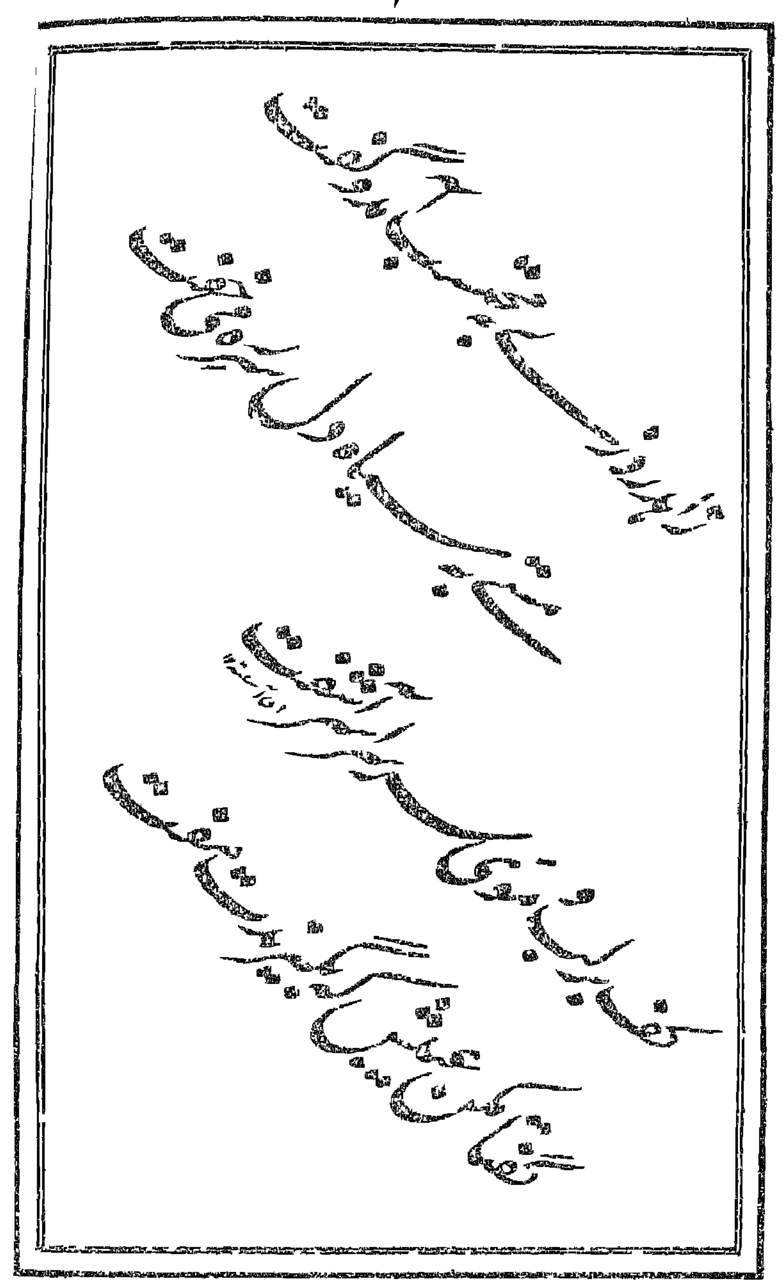


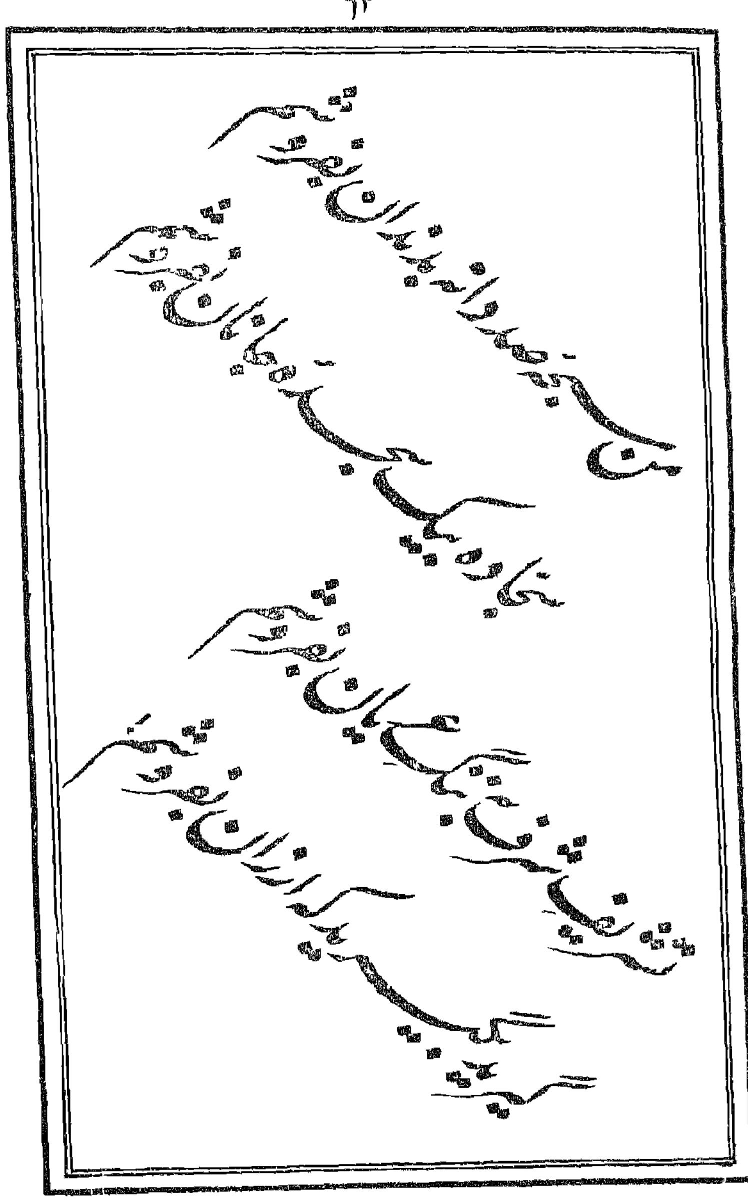












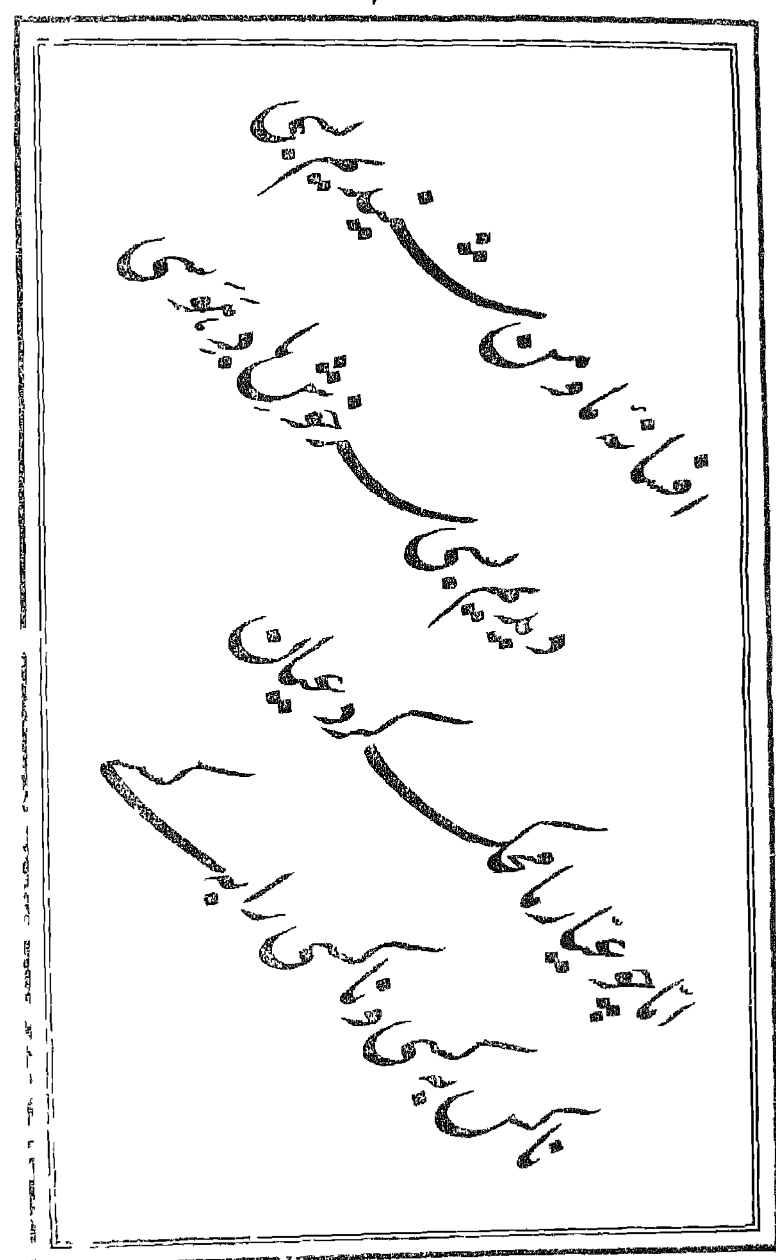
ای فیض فلک [illegible]

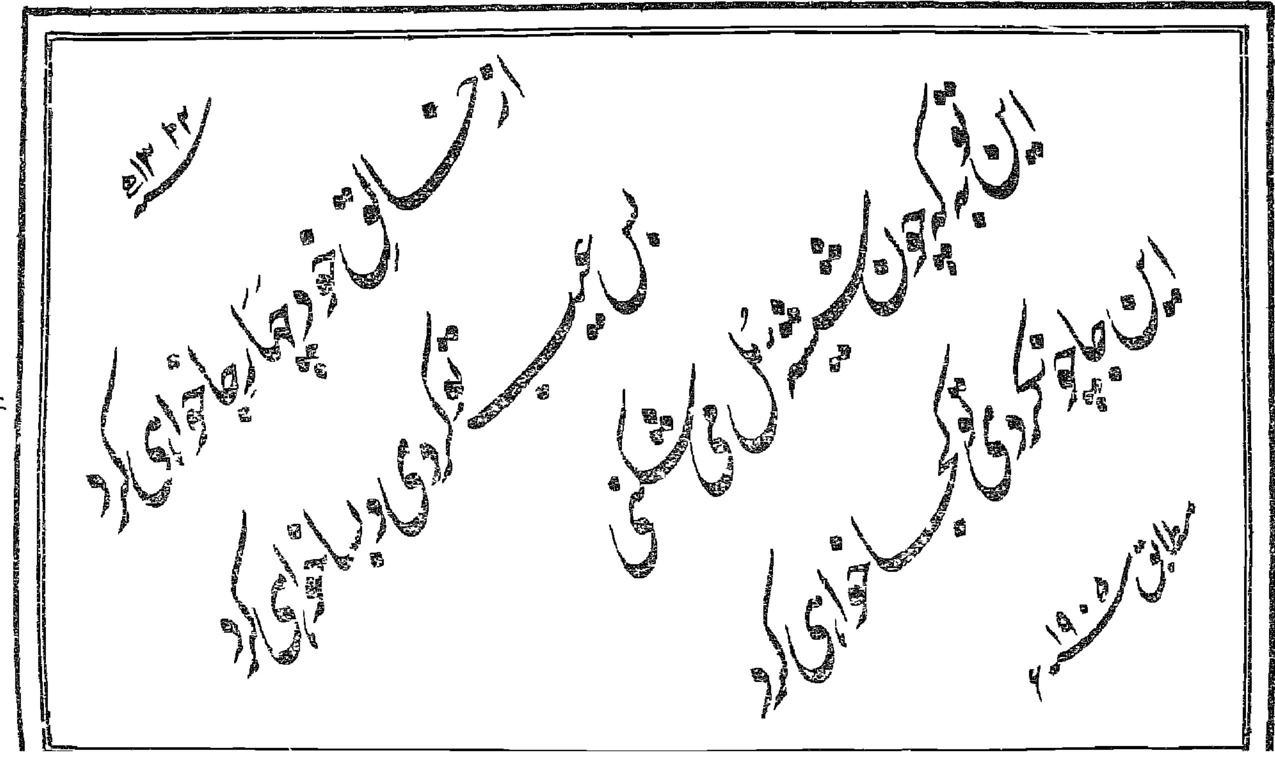
از آتش [illegible] دل [illegible]

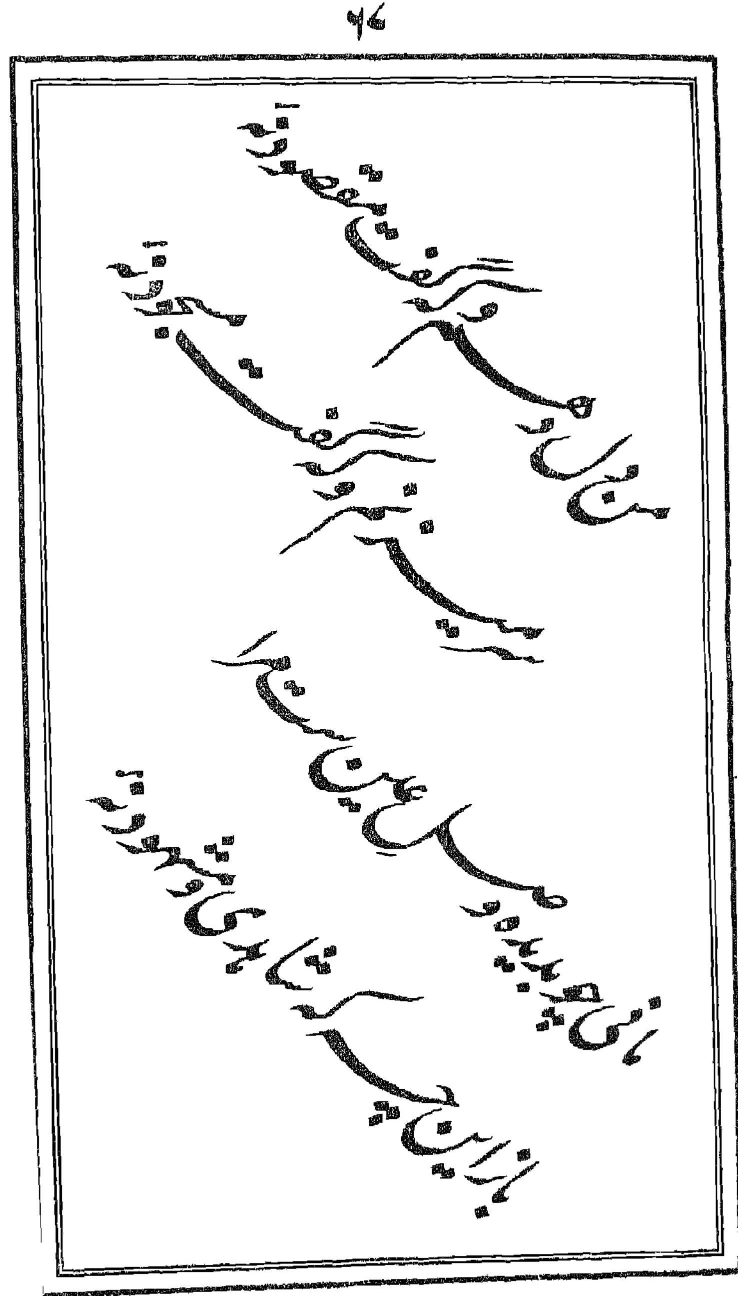
[illegible] افلاطون [illegible]

ای [illegible]

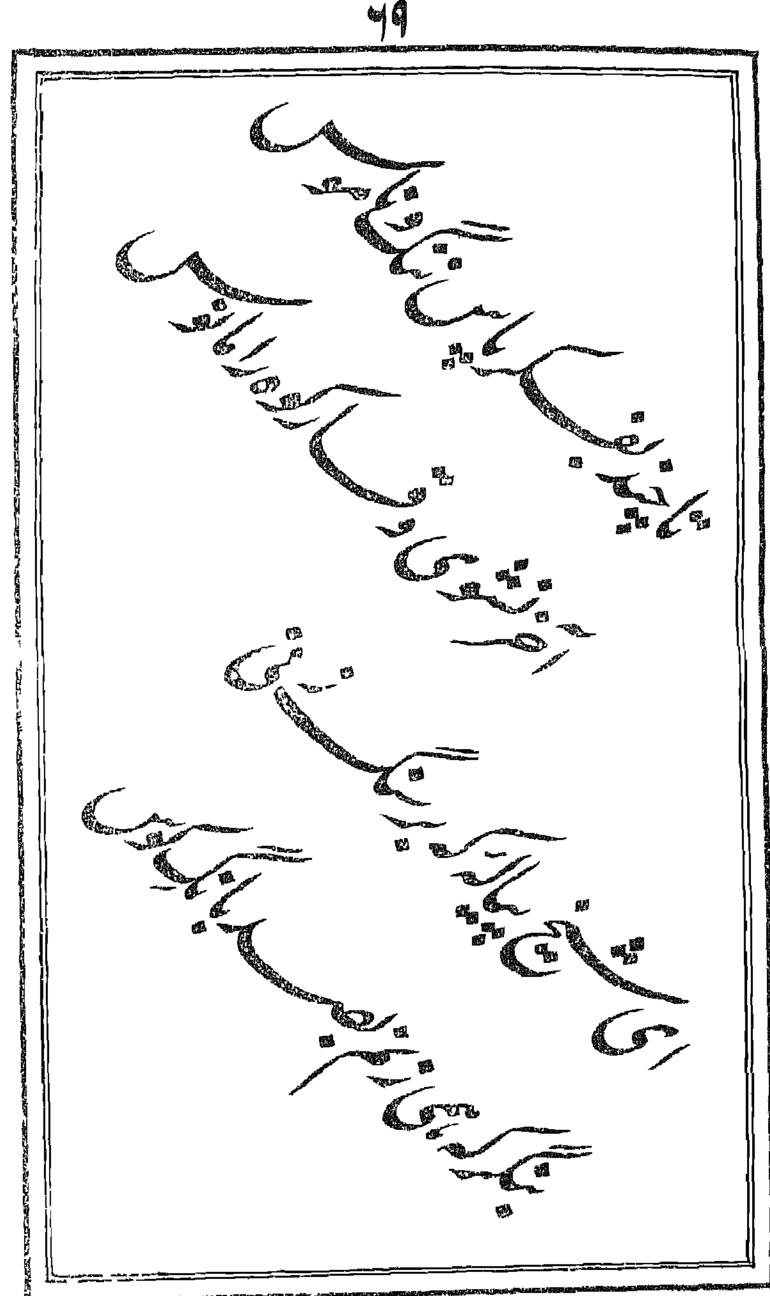
[illegible]

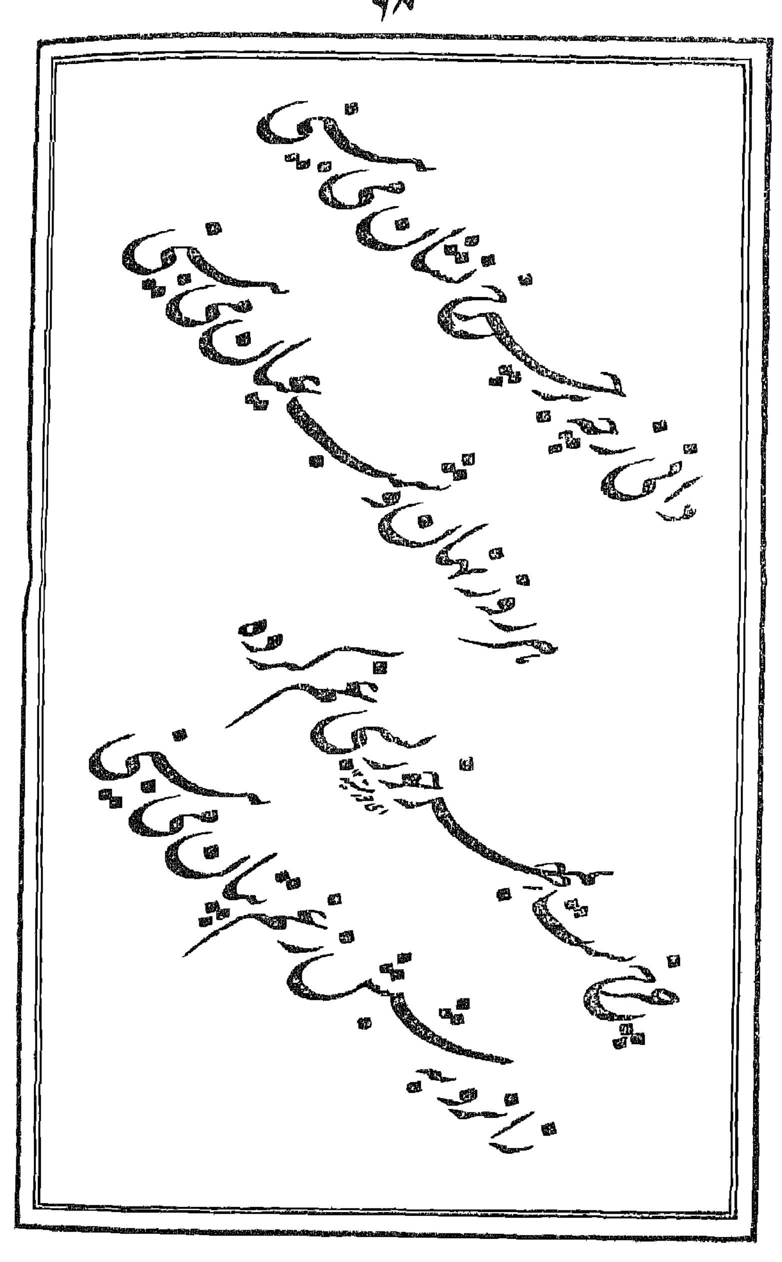


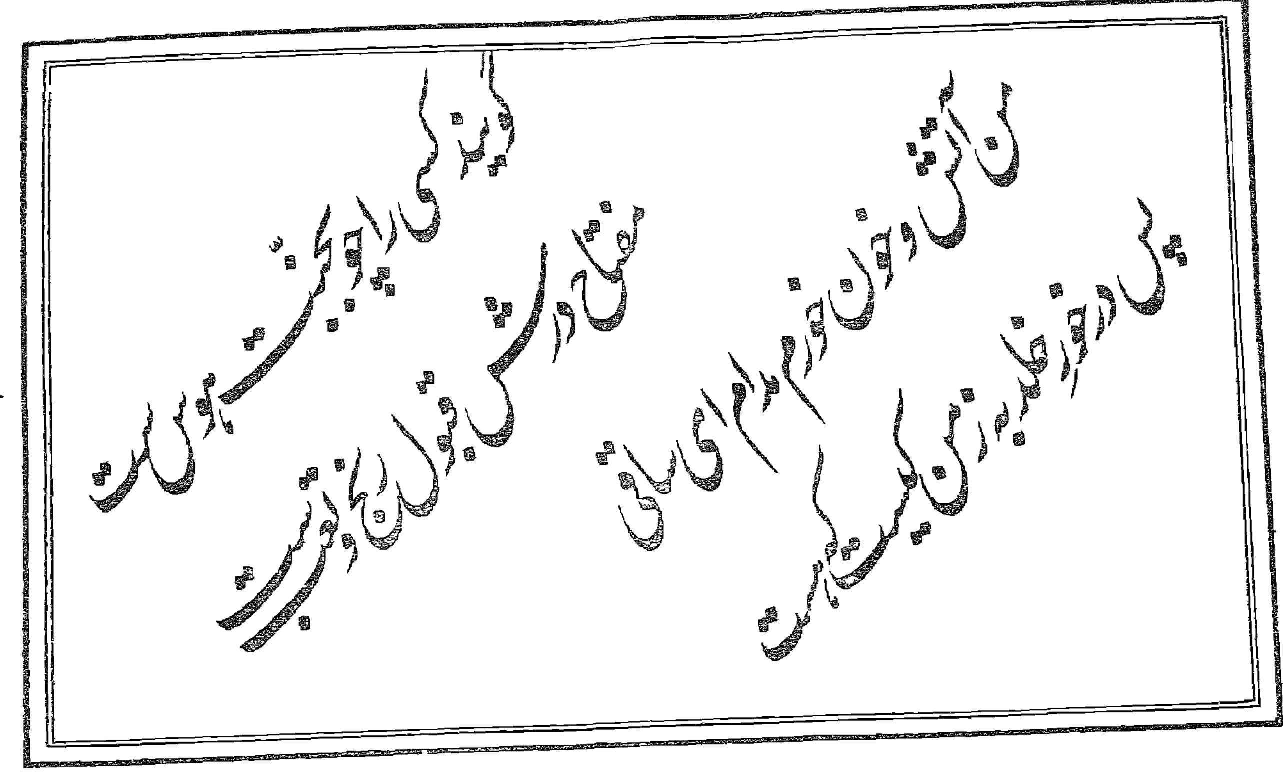

۱۳۲۳ھ
مطابق سنہ ۱۹۰۵ء

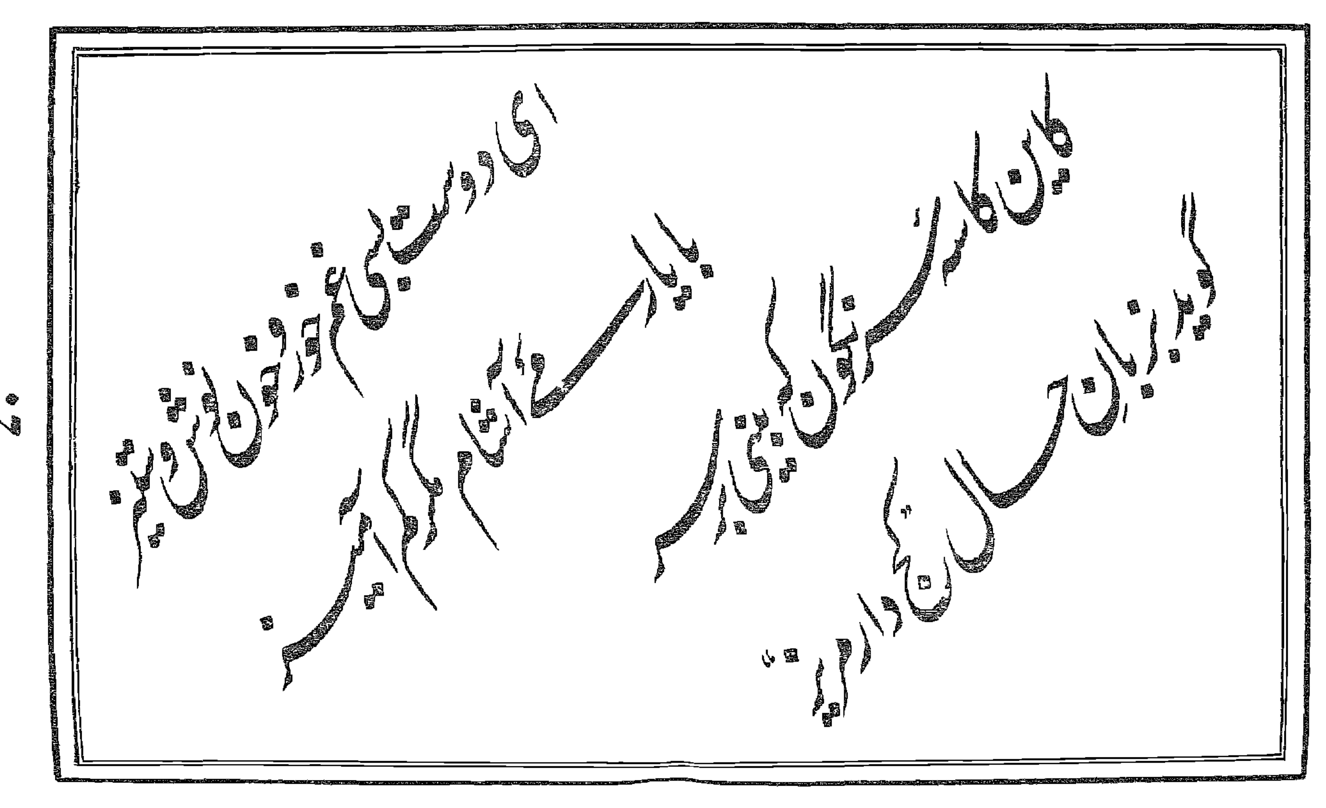










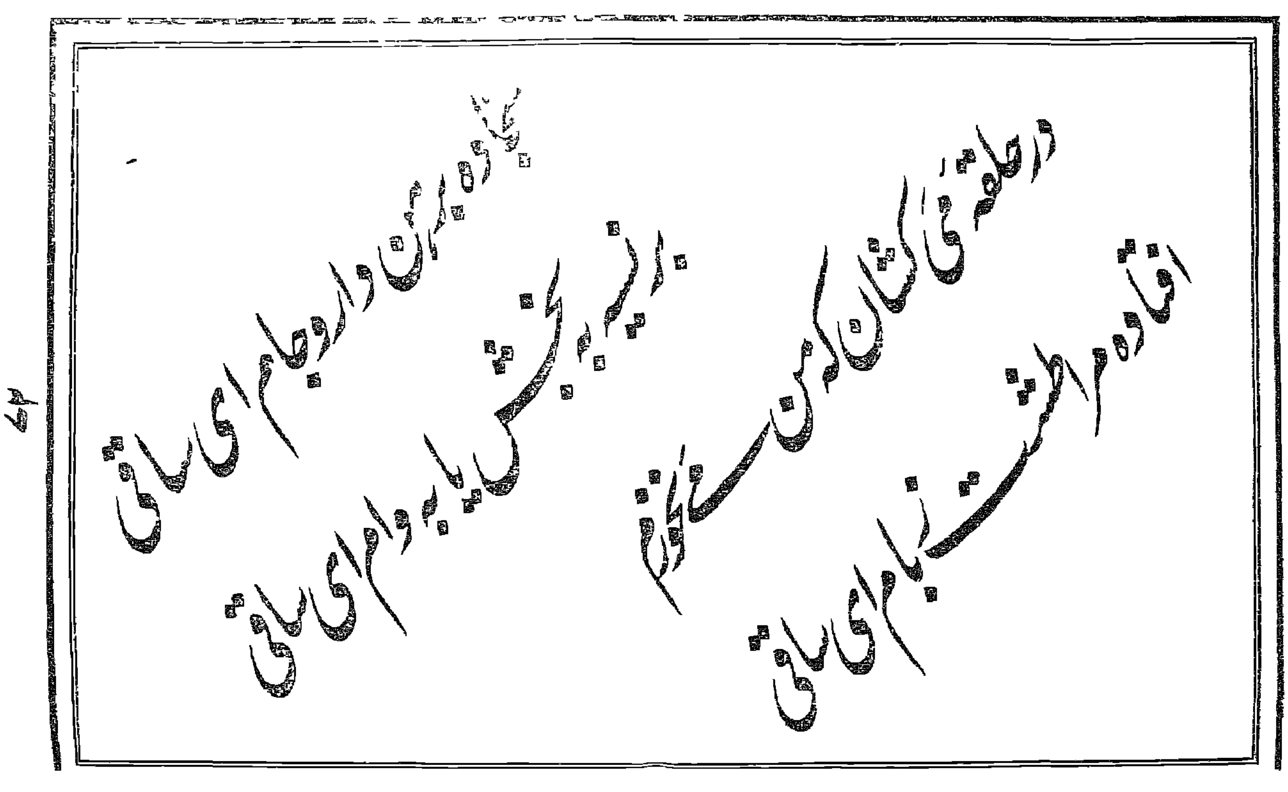


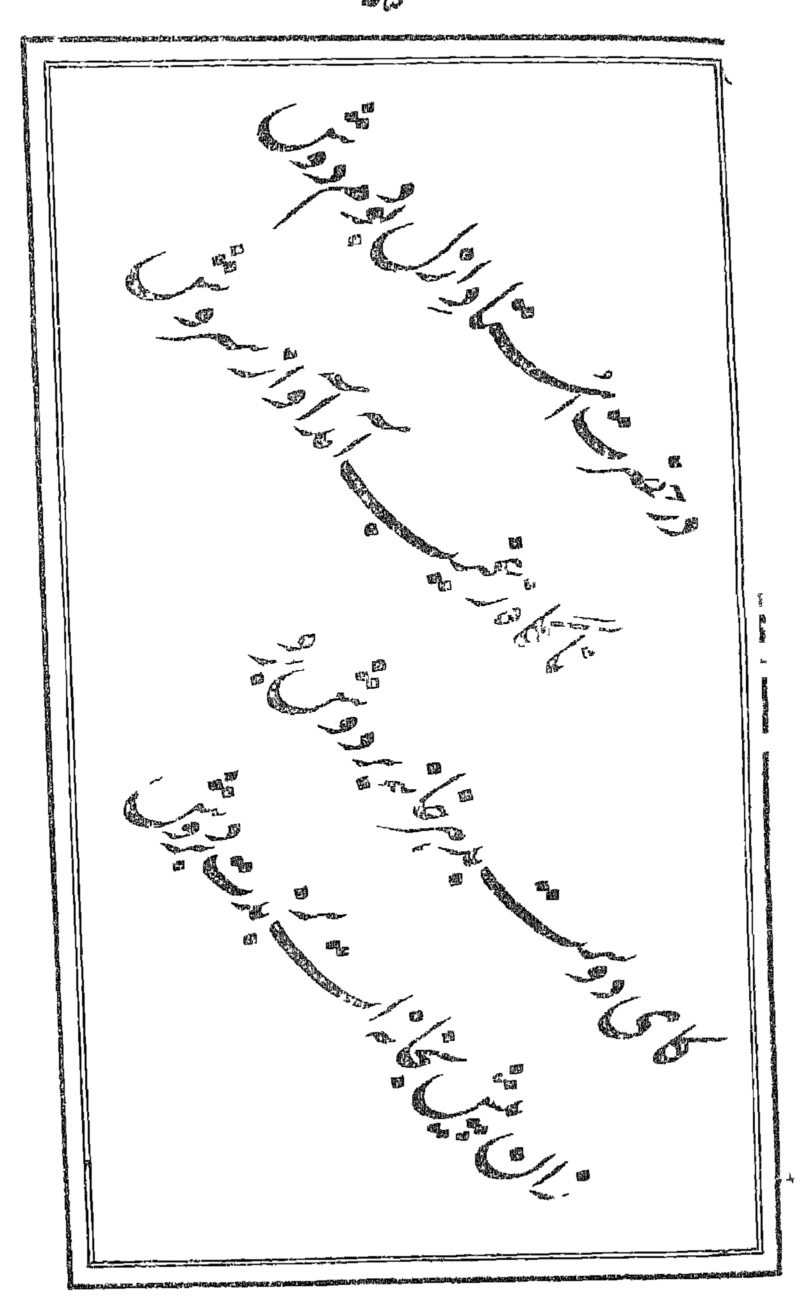
روزی ز اسرار من خبر خواهی دید

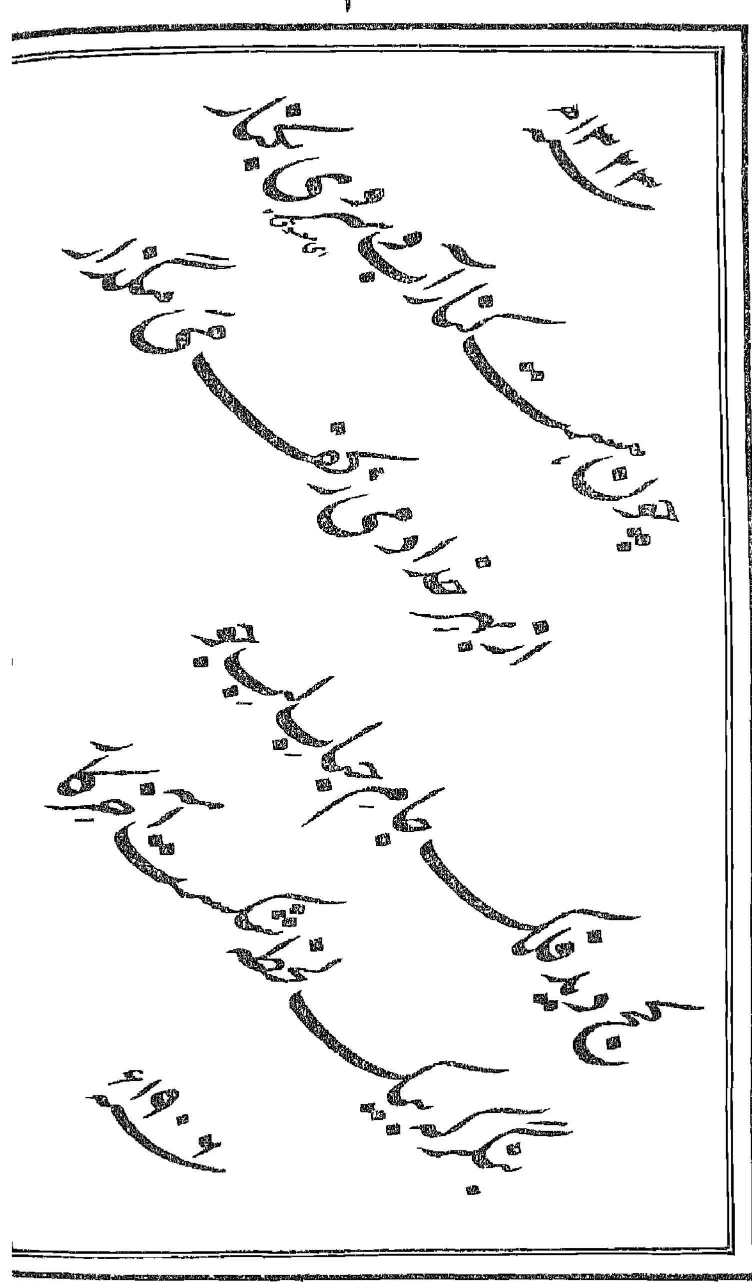
بینی که چه شیر ز آزادی خواهی دید

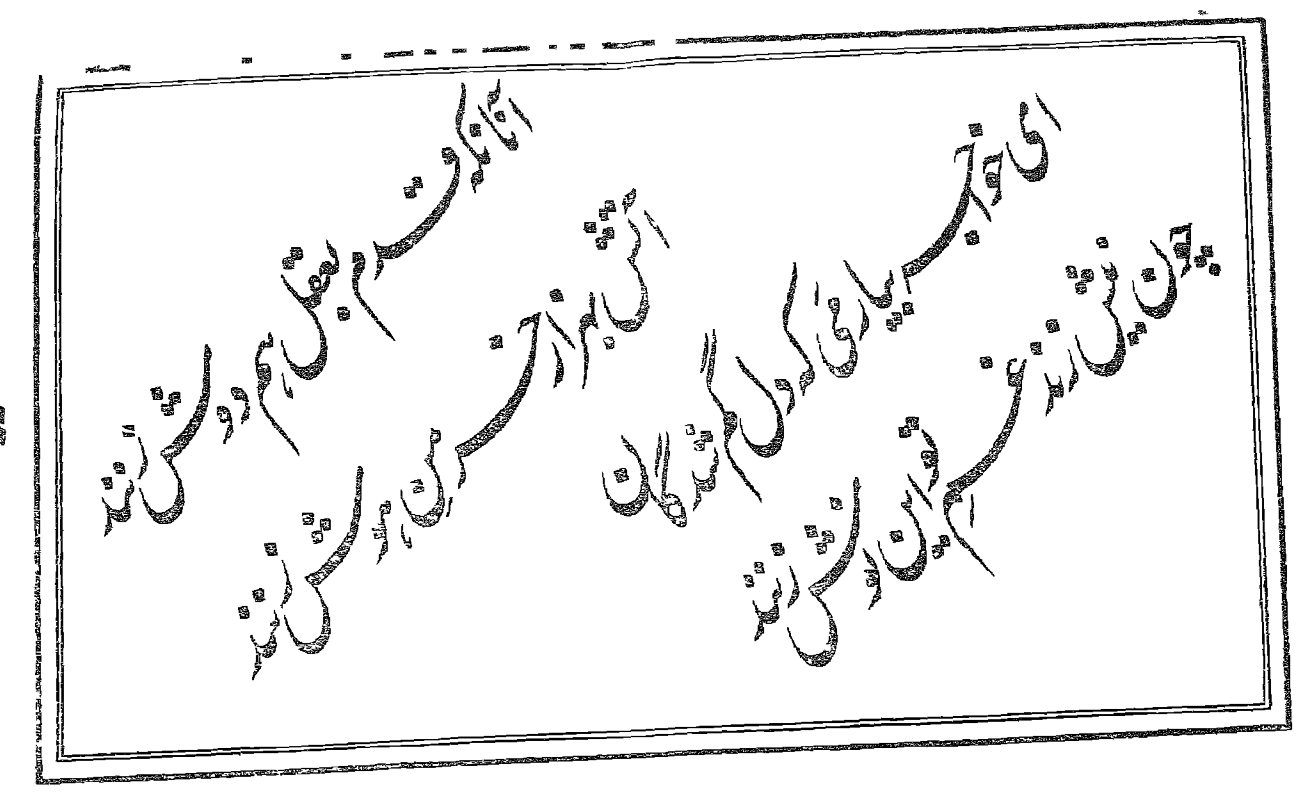
سلسلی

در کمان الف ز تیغ تیز خواهی دید

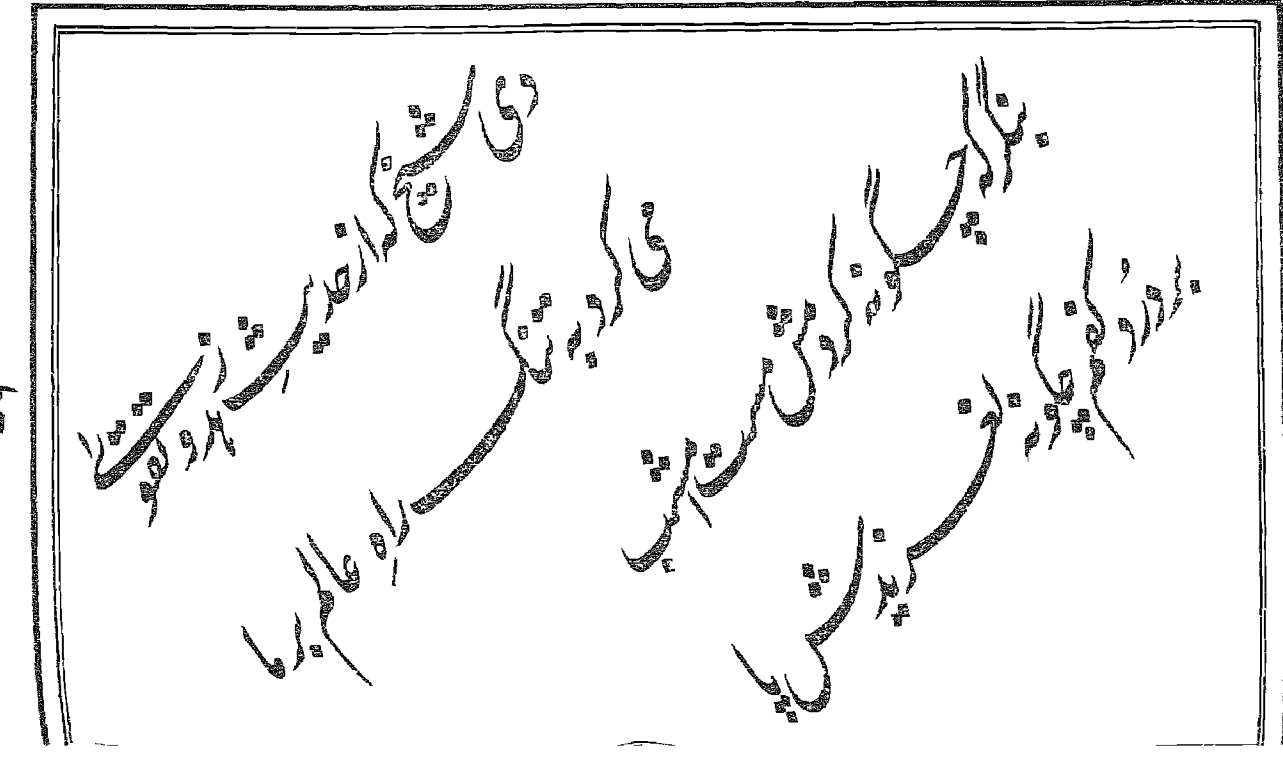

یکجرعه بمن ده و دو جام ای ساقی
بر نیمه بخشش پایه و دام ای ساقی
در حلقه می‌کشان که من سوختم
افتاده مرا طشت ز بام ای ساقی

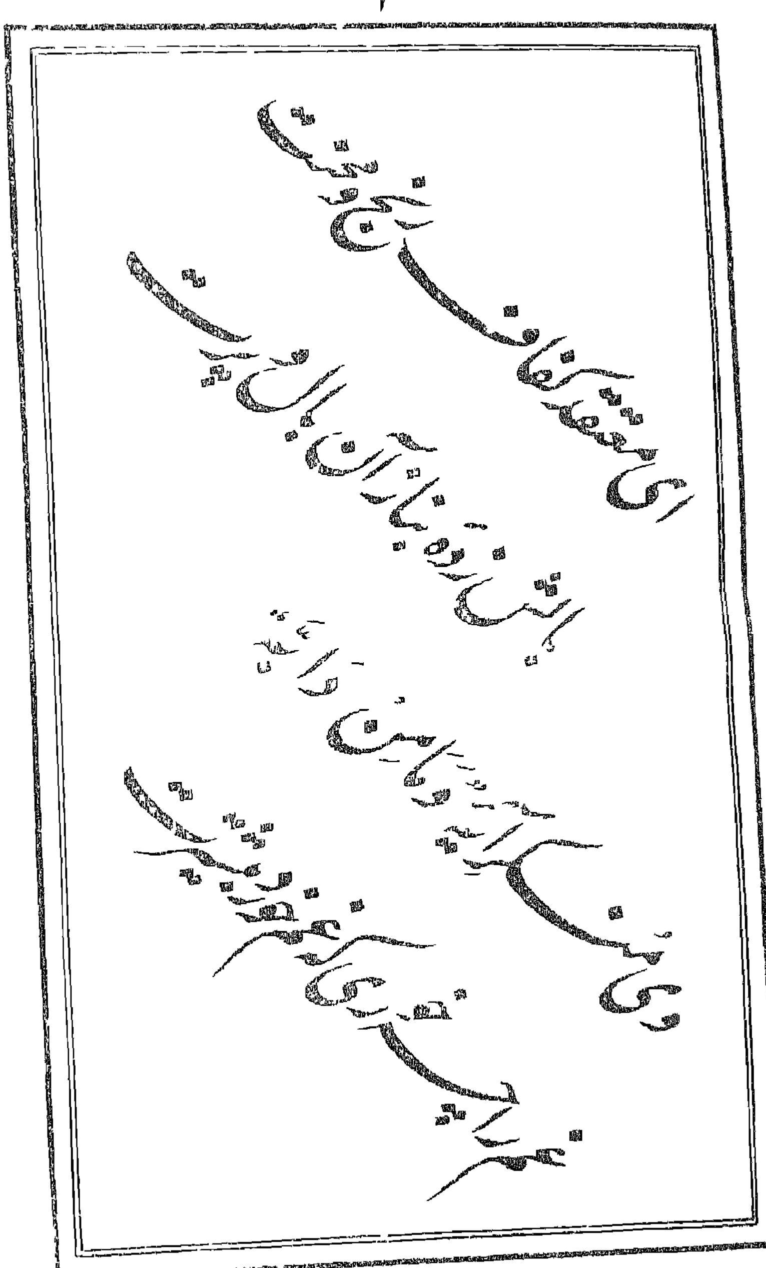


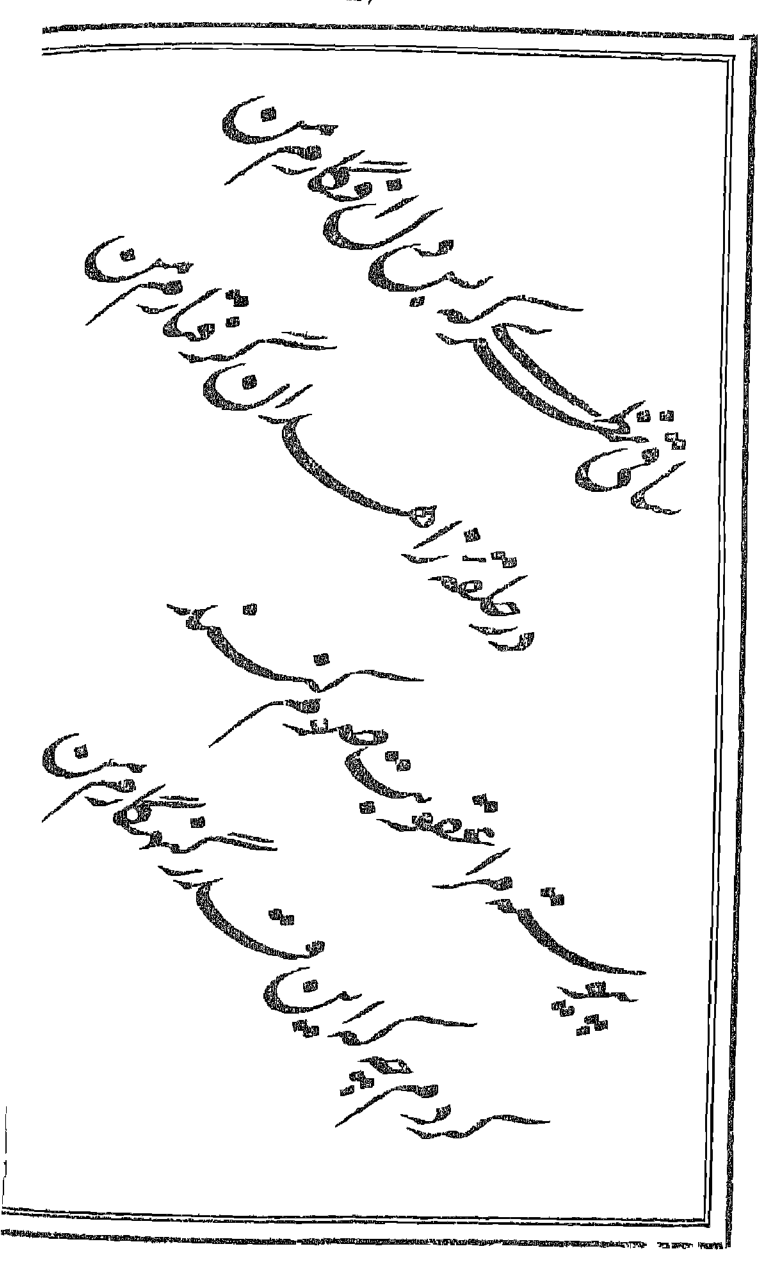




آنانکه قدم بعقل همدوش زنند
آتش بهزار خرمن هوش زنند
ای خواجه بسیاری که دل آگه شدگان
چون نقش زند غم همان نقش زنند





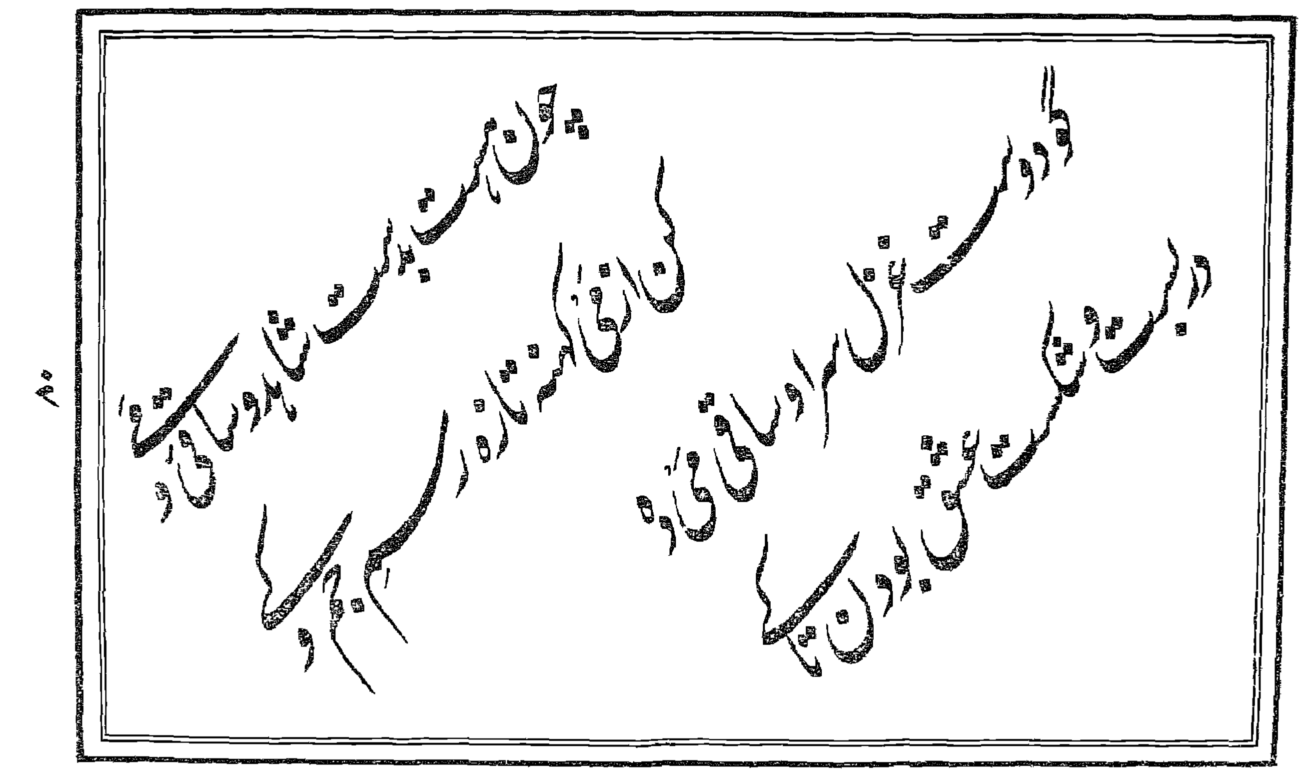


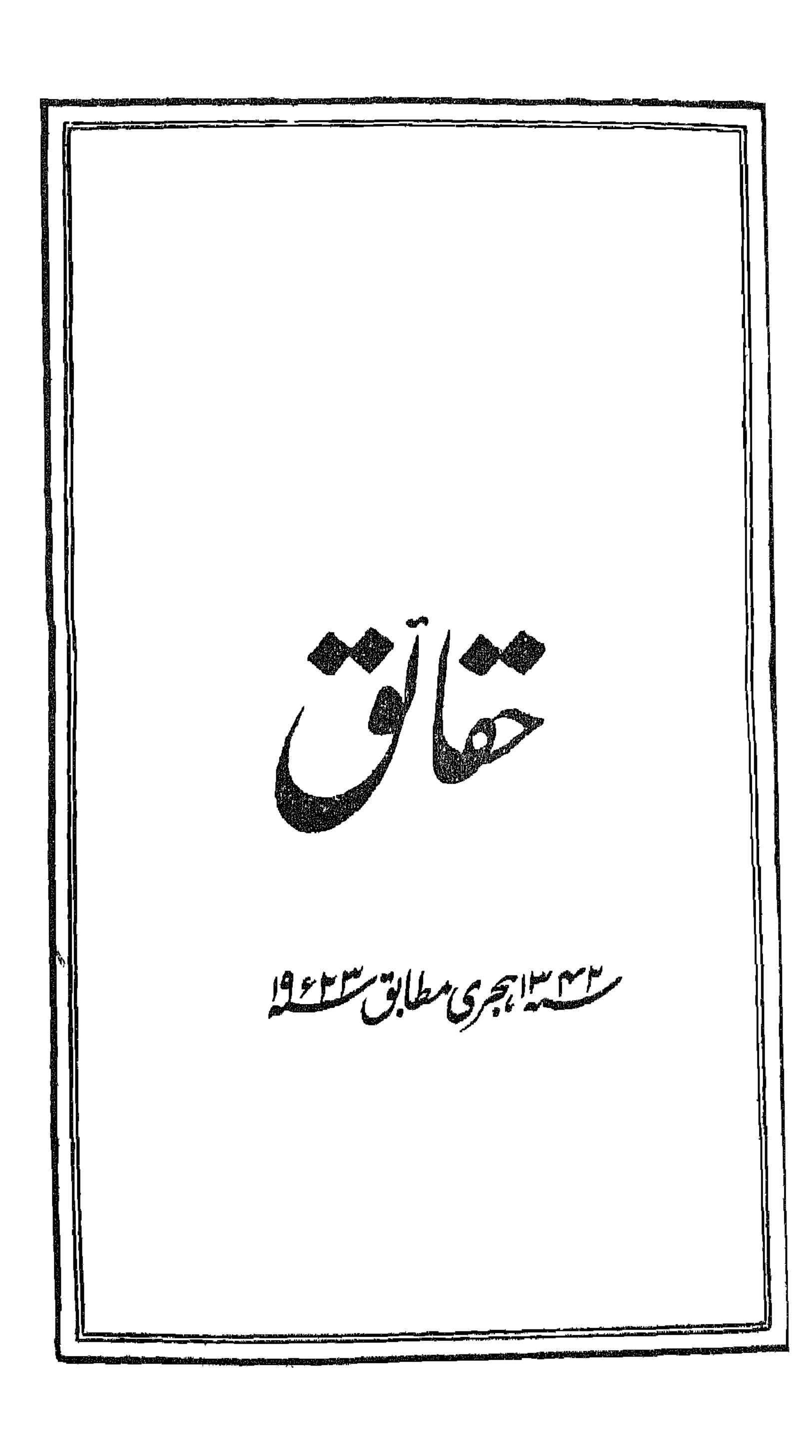
ای شیخ بیا بیا بیا امیر باده

تسبیح بیار و سبحه بیا بیا باد

مخزن سپنجیر سان آمد

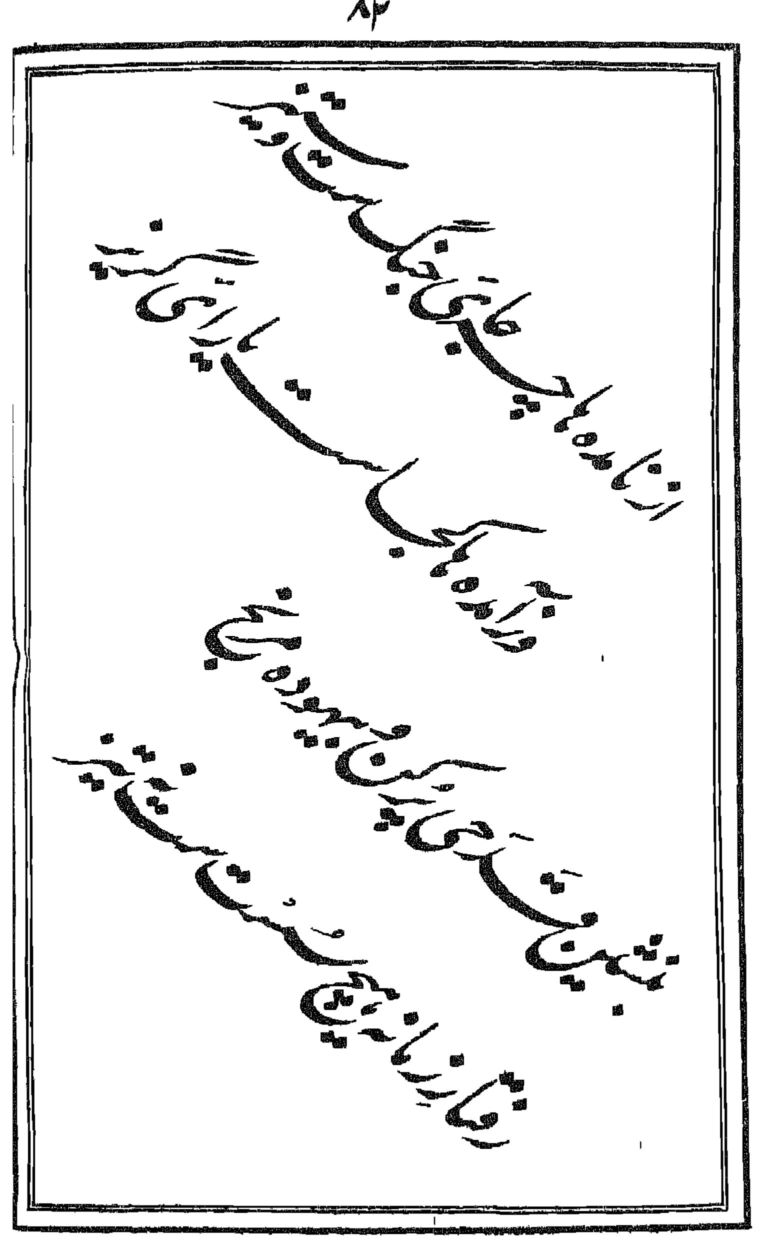
زنجیر گسسته زیر پا دو درافتاده

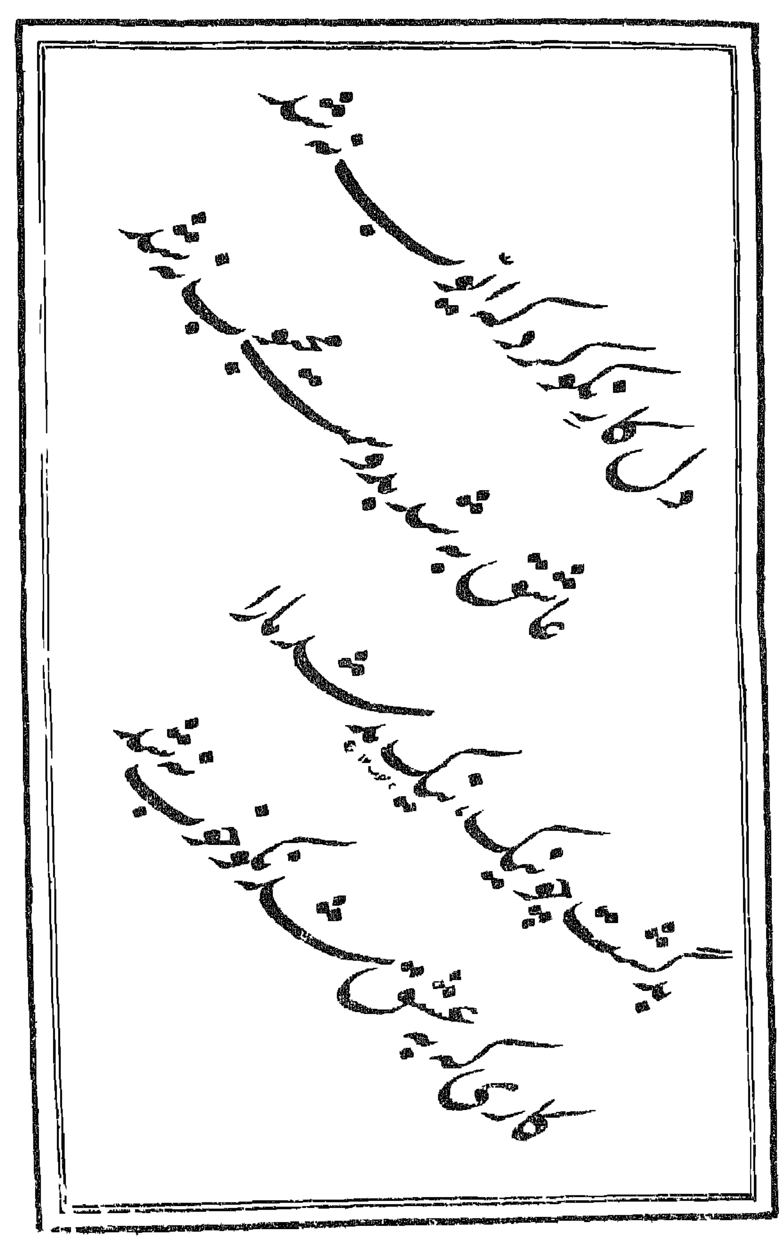


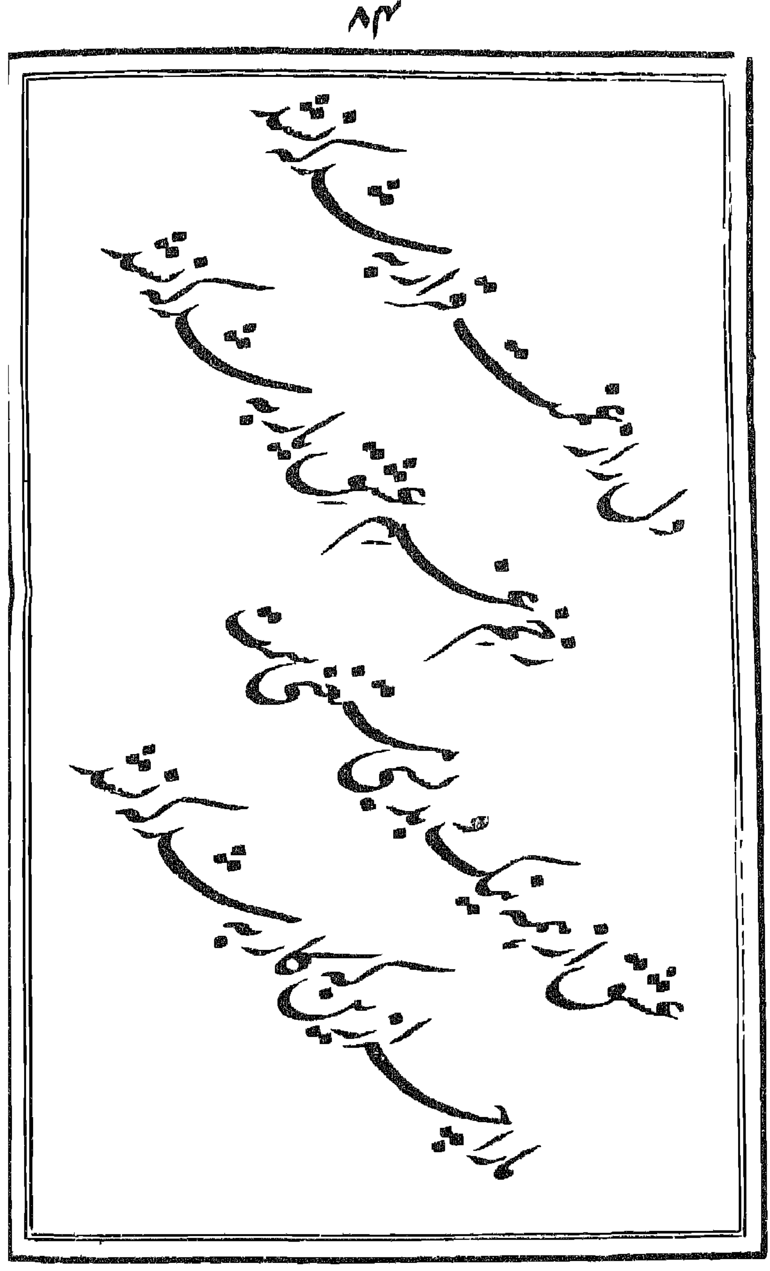


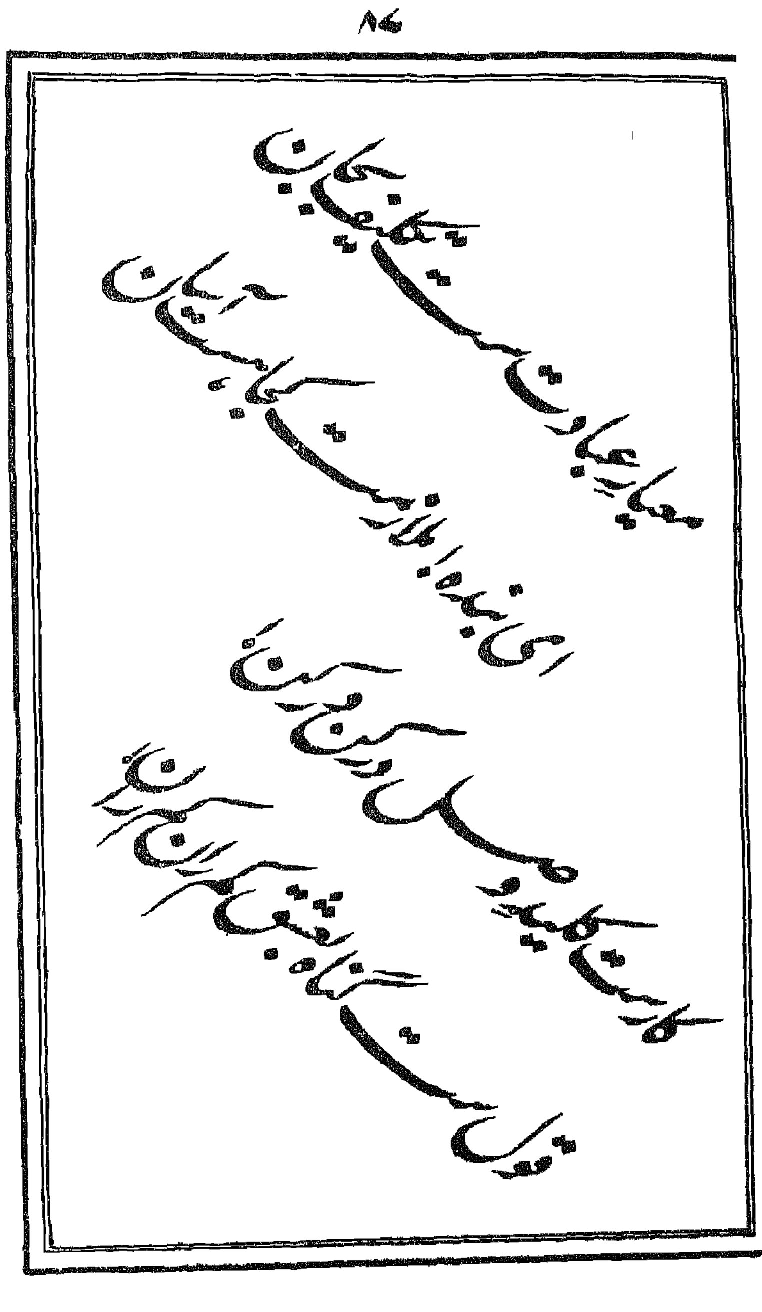
حقائق

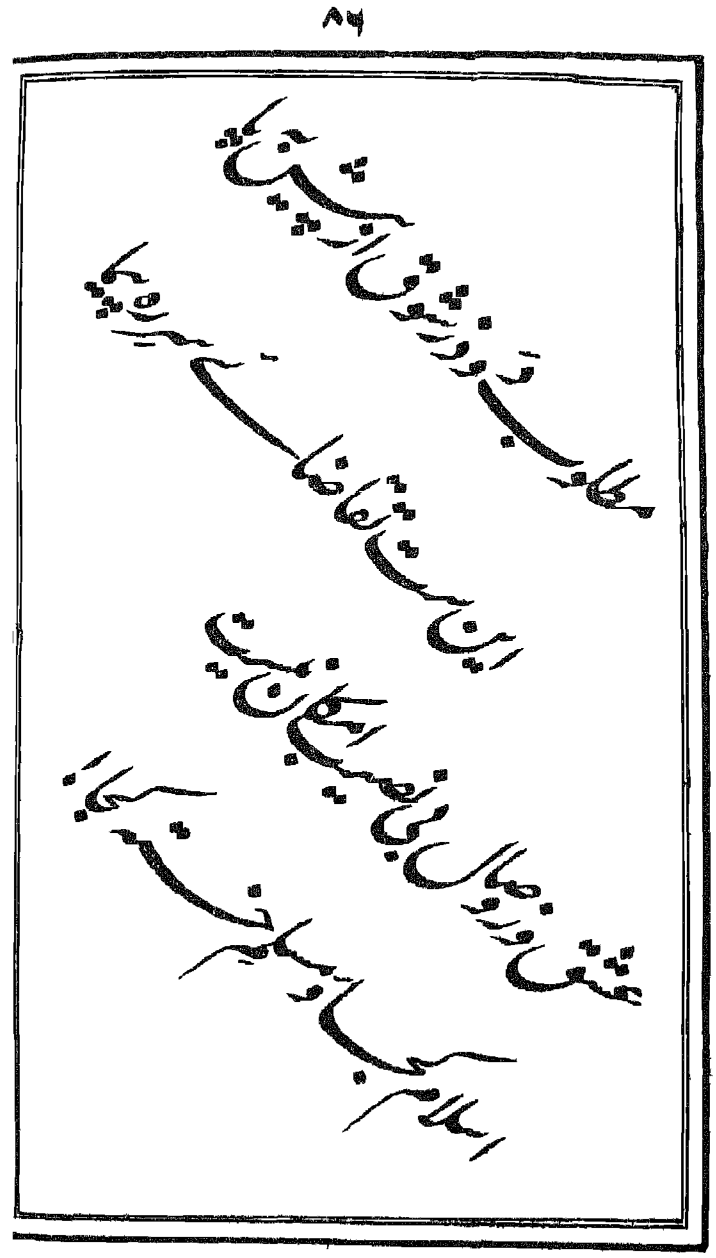
سنہ ۱۳۴۲ ہجری مطابق سنہ ۱۹۲۳ء

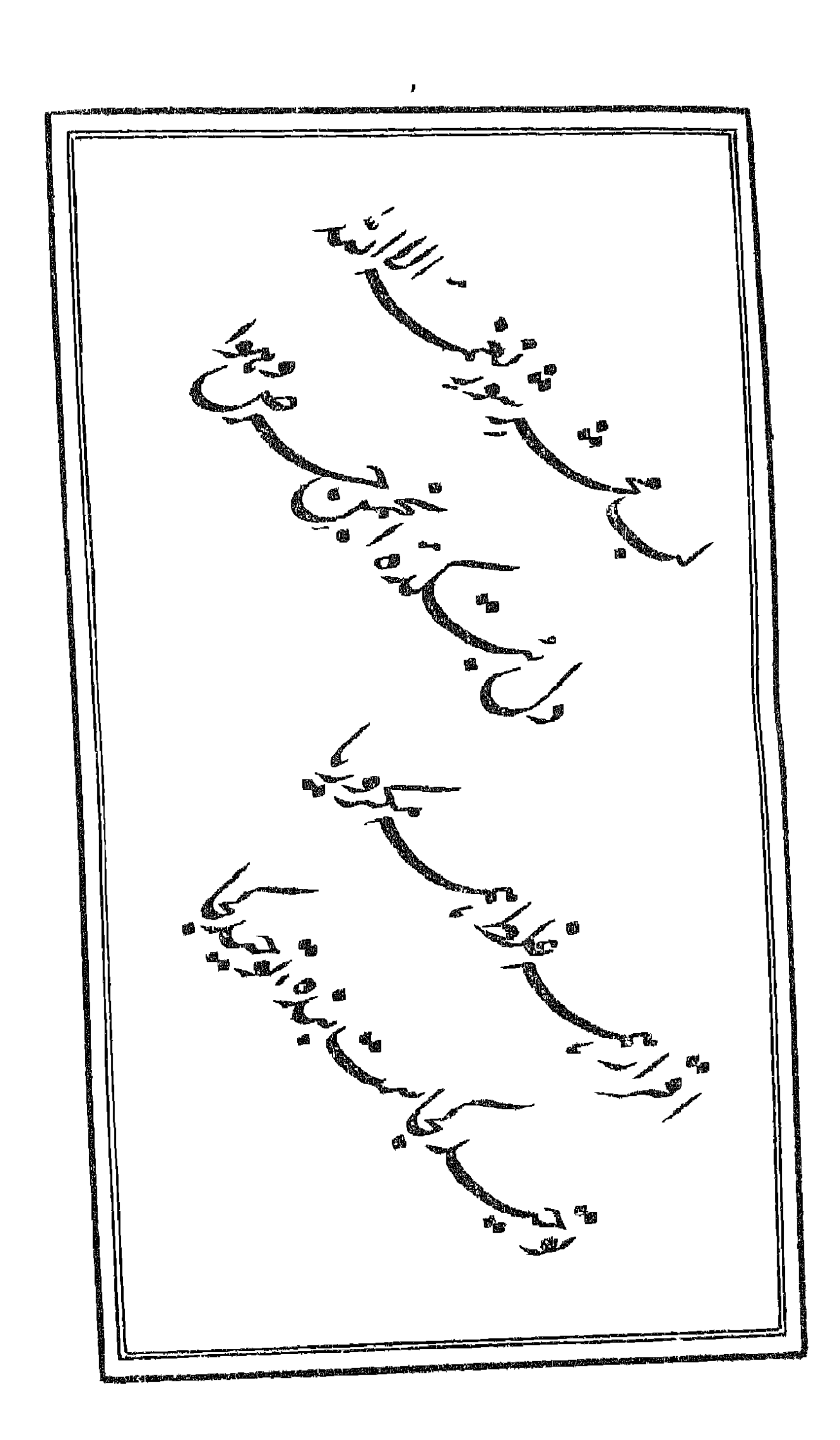


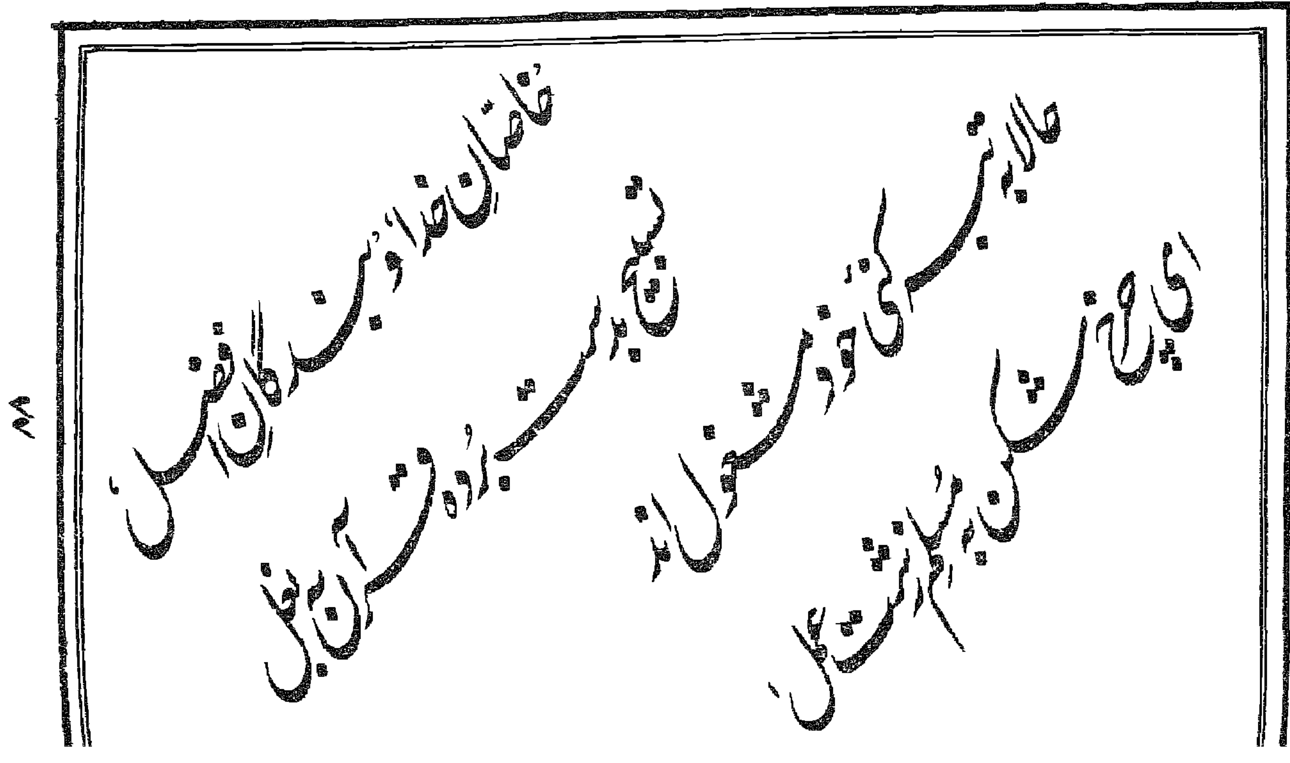


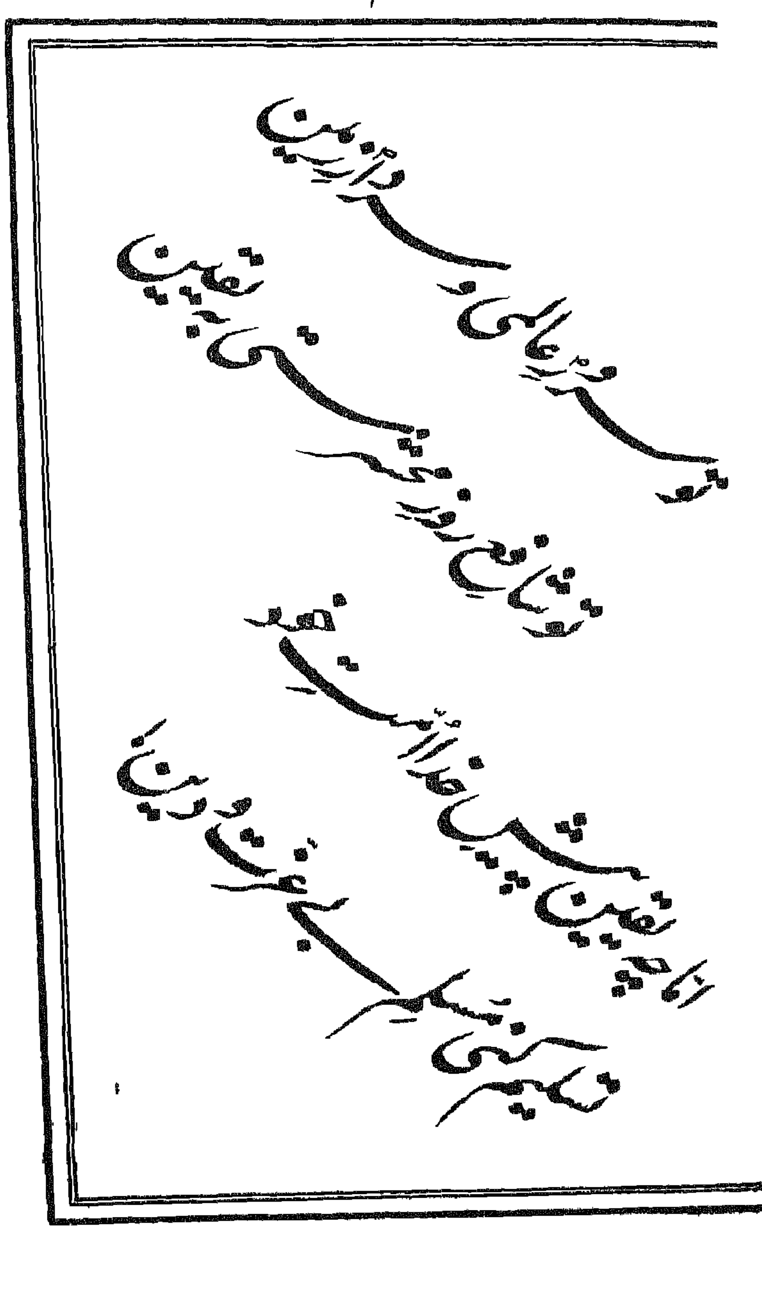


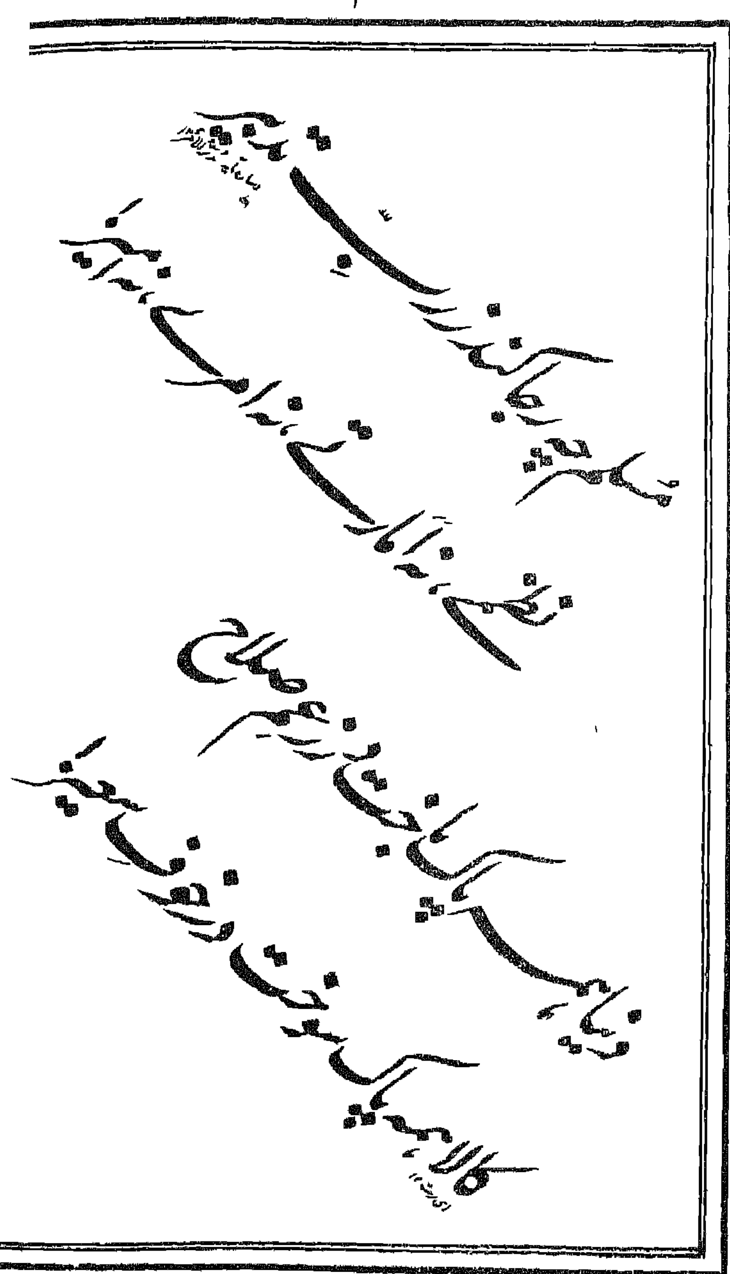







خاصان خدا و بندگان فضل
تسبیح بدست برده و قرآن بغل
ای چرخ بشکن به ملای زشت عمل

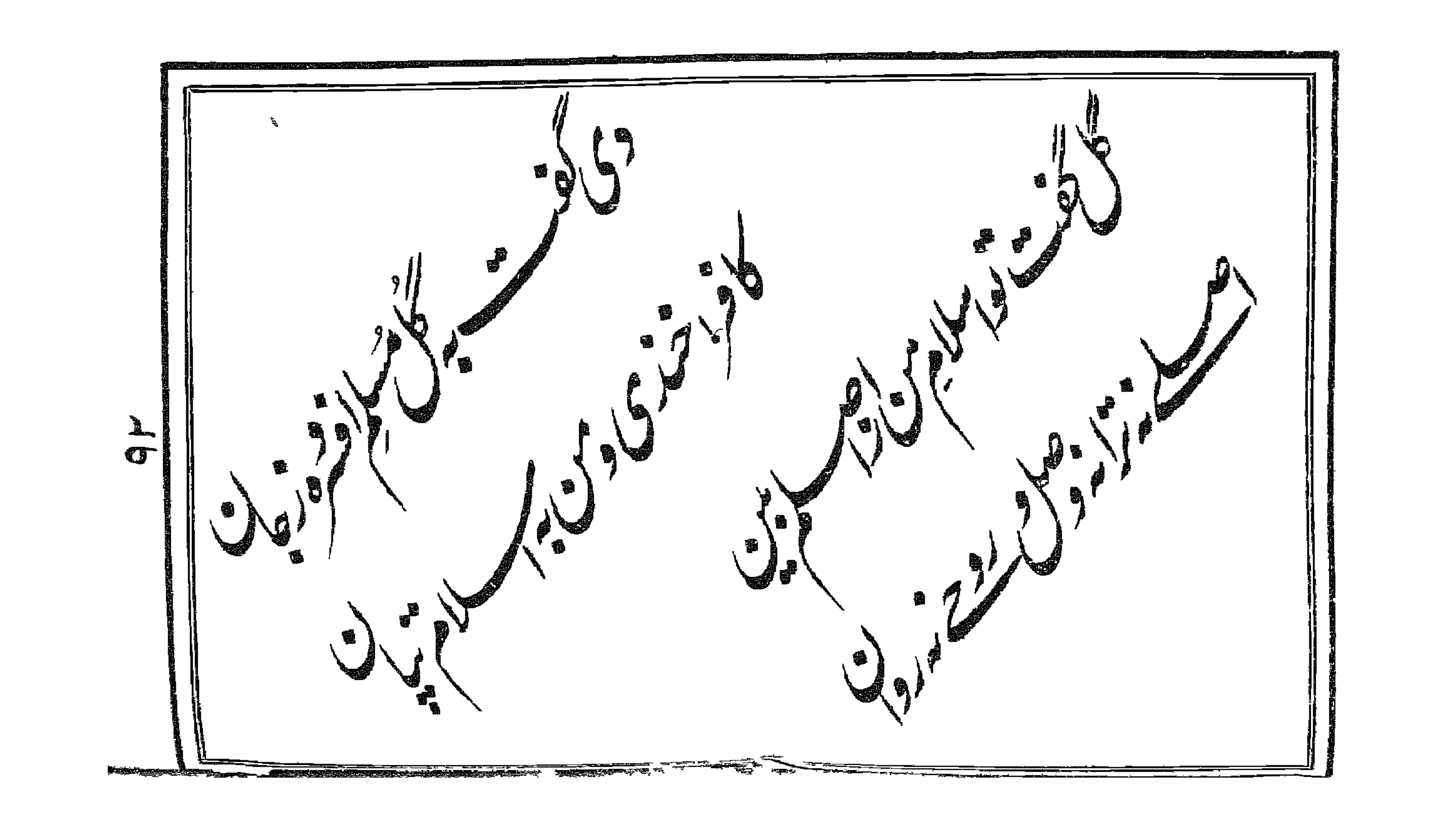


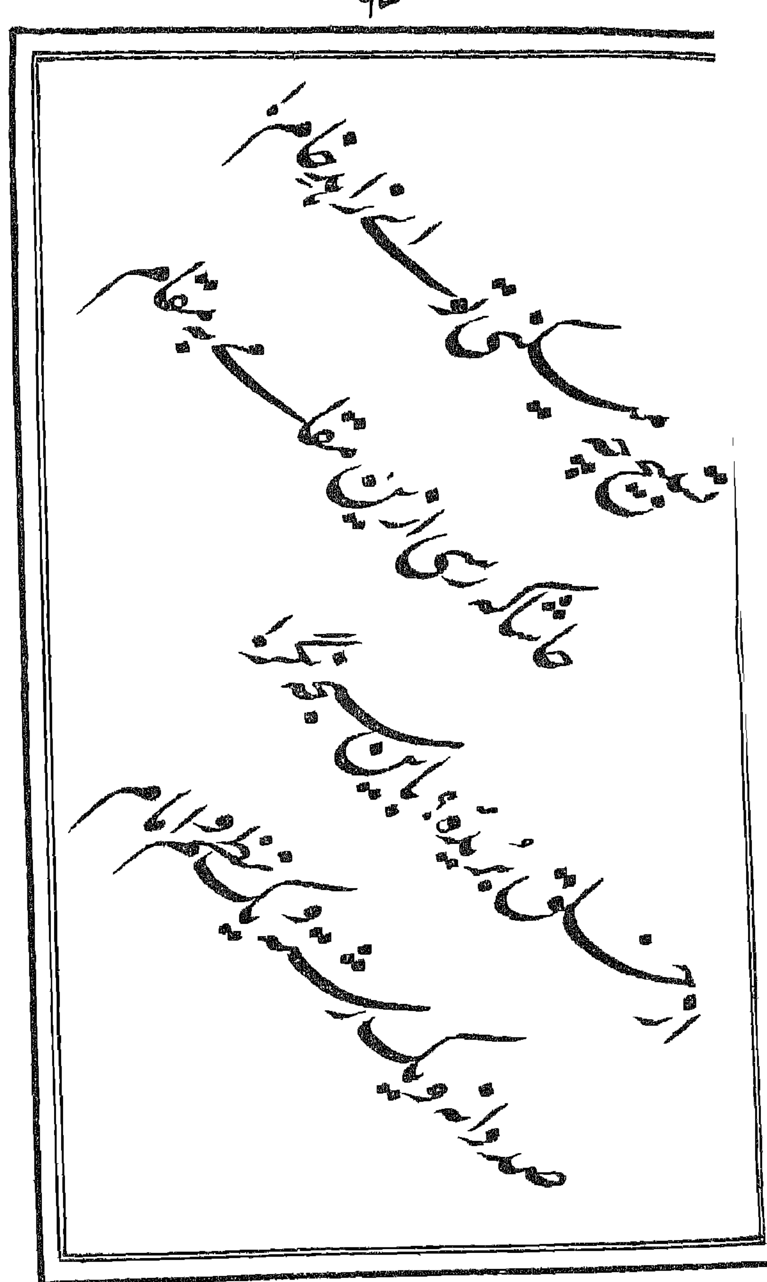


دنیا چہ کلید فتنی اوست اے صوفی تمام
زینت خدا ہے ابر افلاک و انام

دنیا چہ مطیع نبی سلیم ہست حلال
ور بندۂ او شوی حرامست حرام

[illegible] ۱۳۱۱



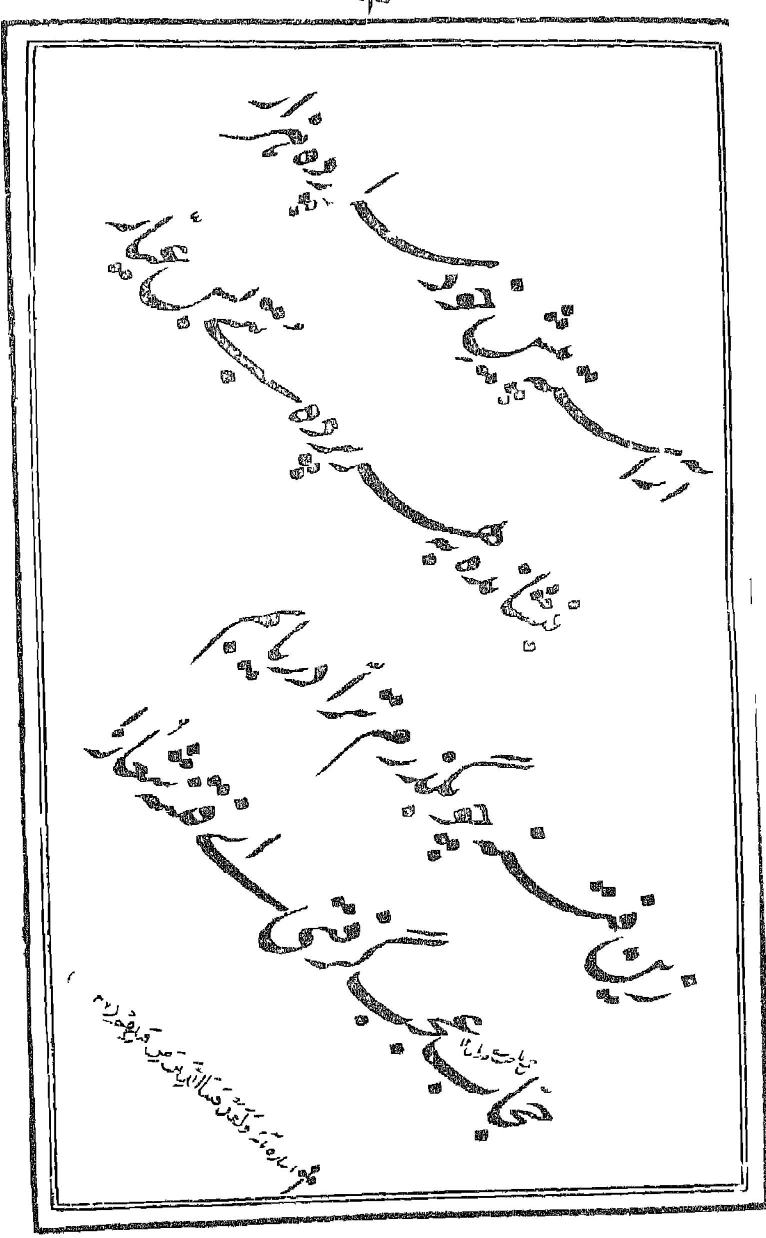


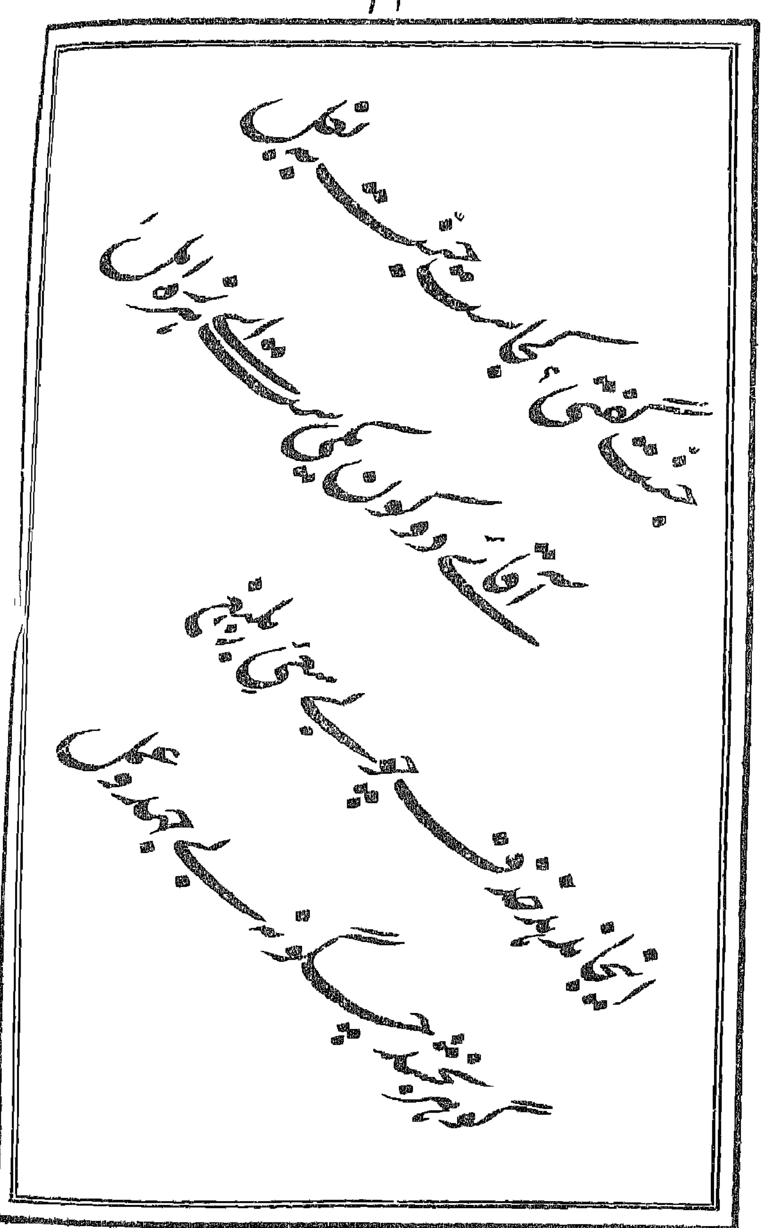
بیت چیست به‌زبان پیکر ابیات بود

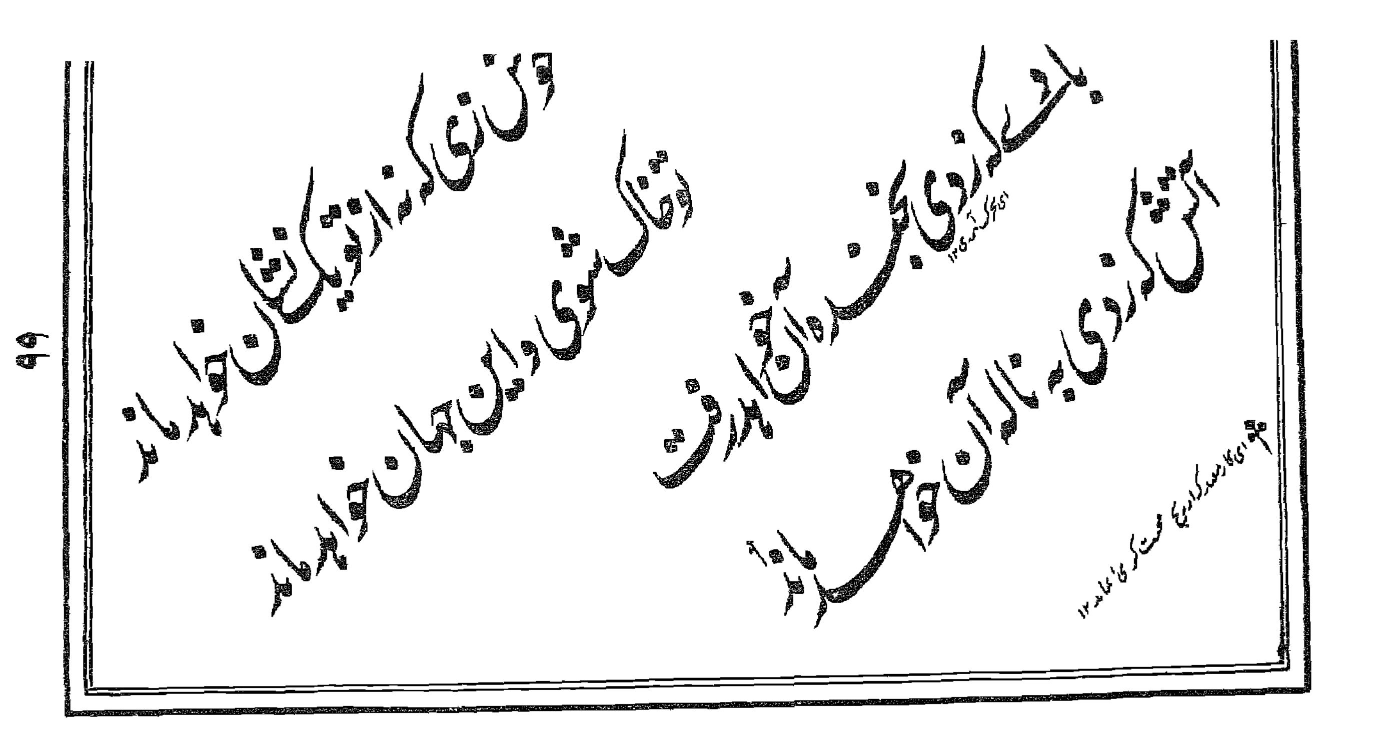
در سر دل پرداز پیش آینه نگارا

این بیت چنگی به چه سهل است اگر محمود

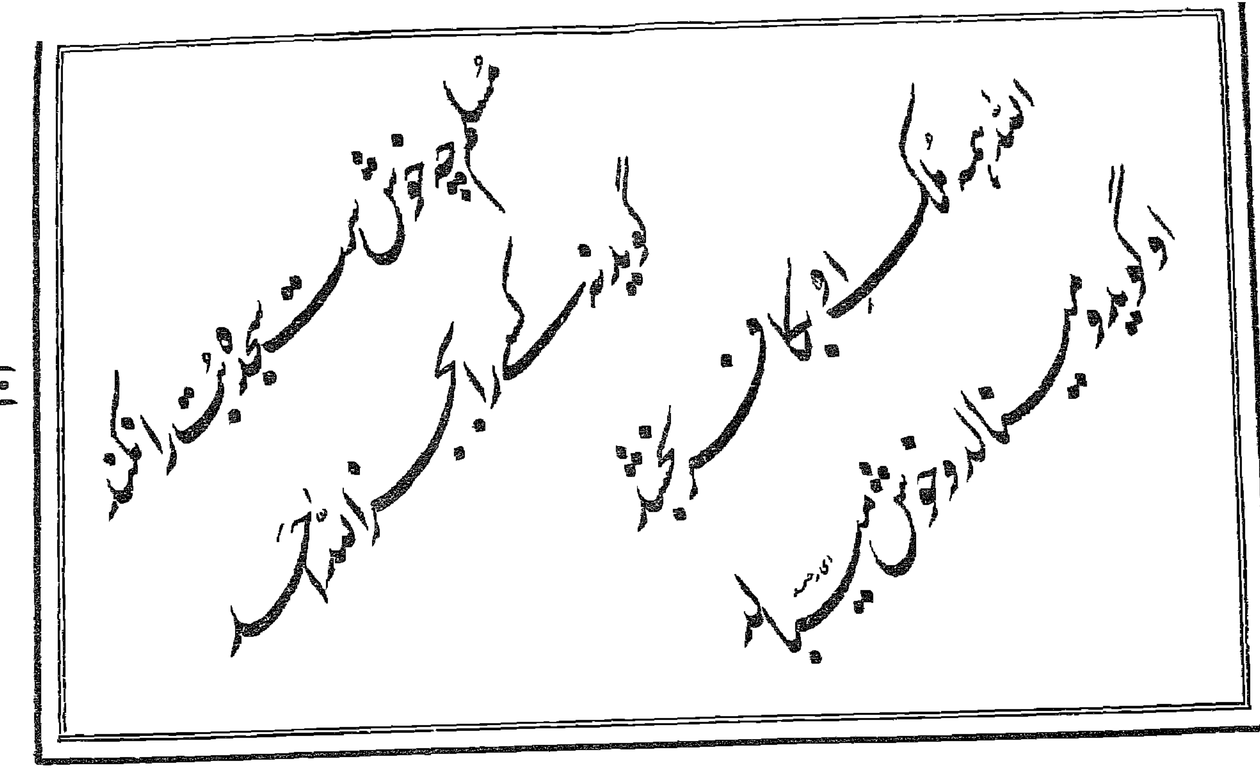
پیدا ز احسن سخنی آن دیوانه

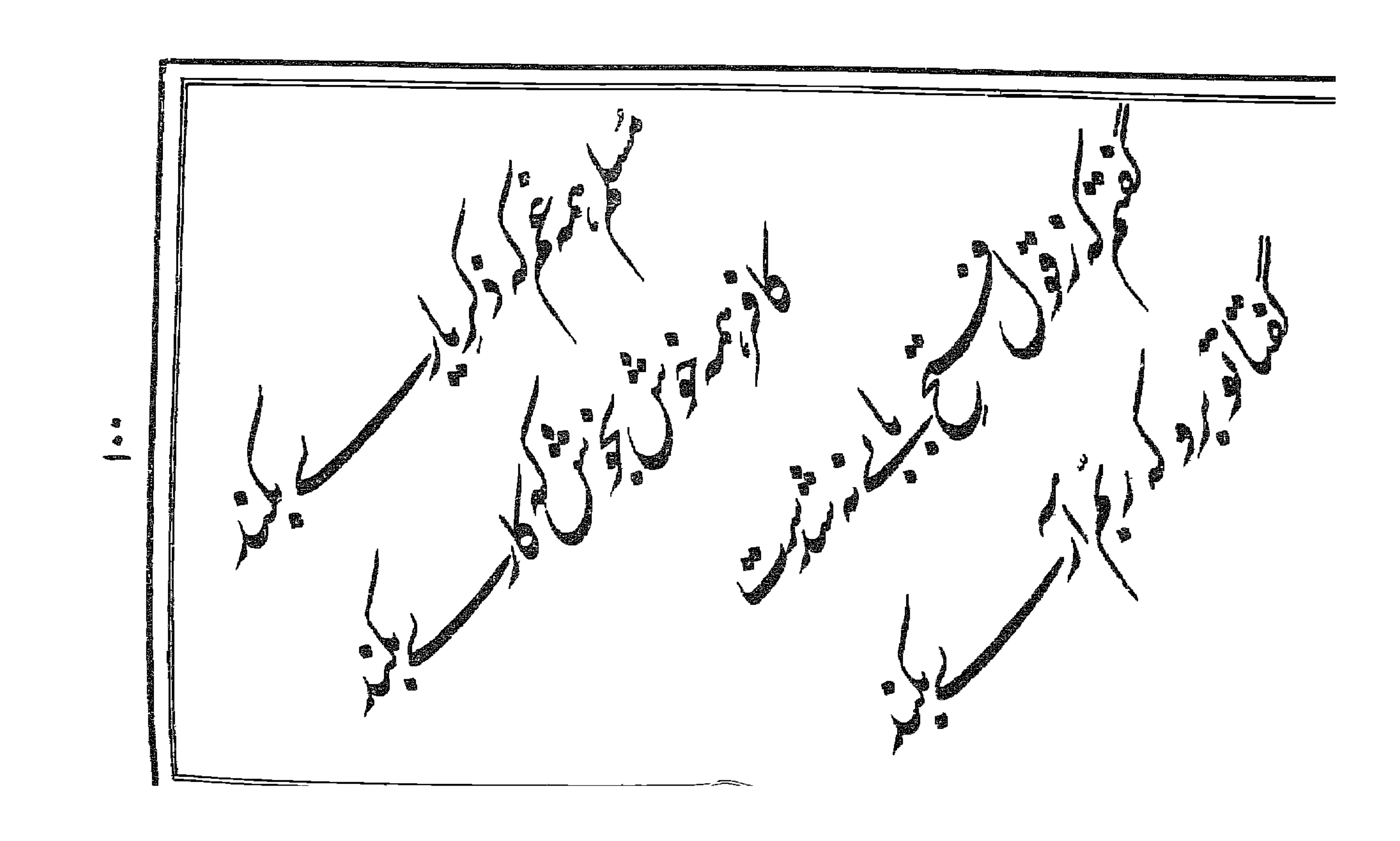


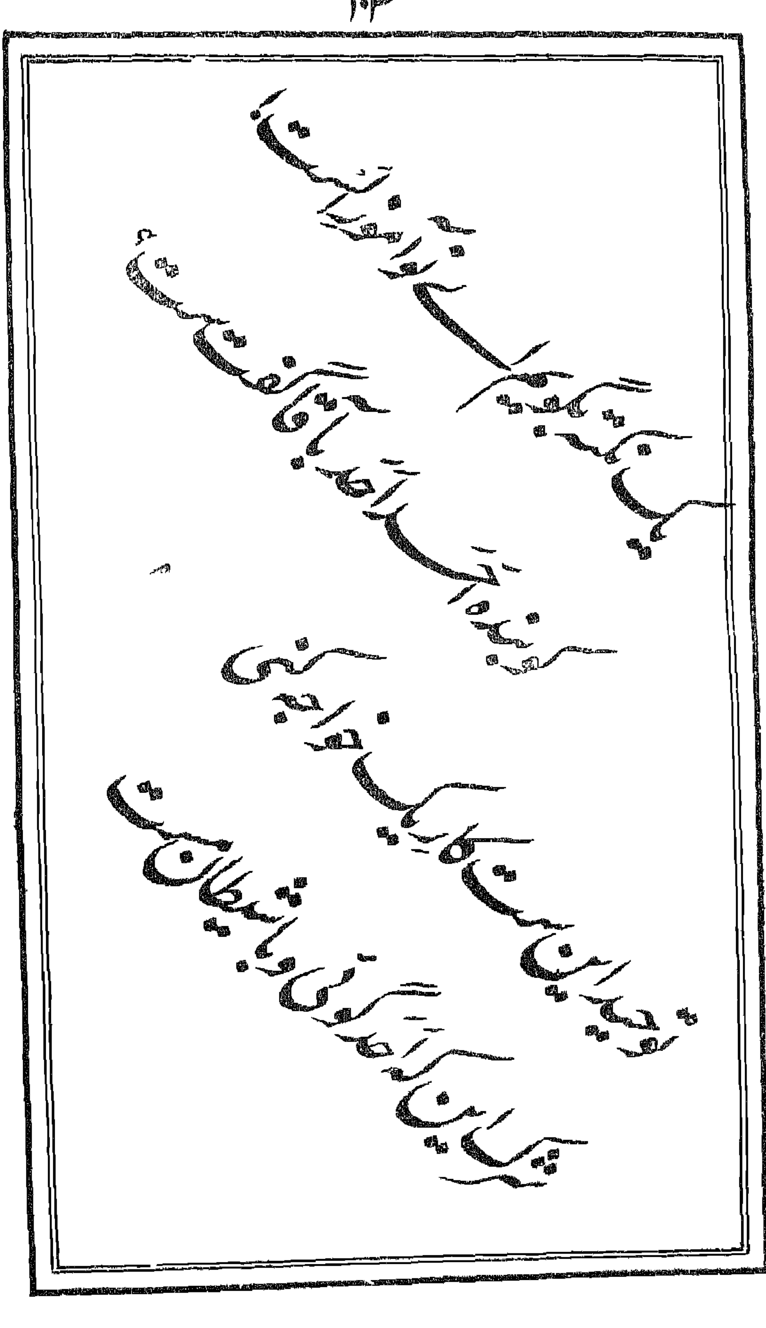


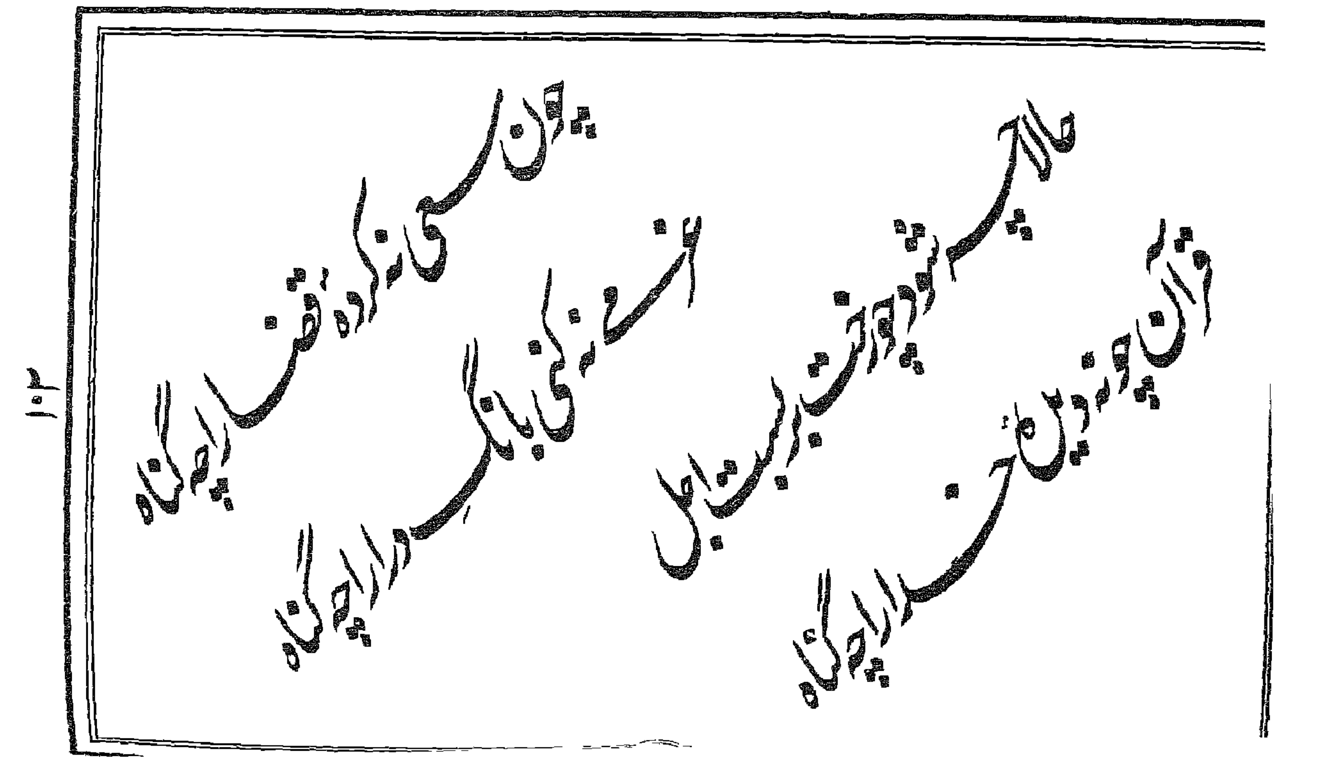

ور خاک شوی و این جهان خواهد ماند
آتش که زندگی به نالد آن خواهد ماند

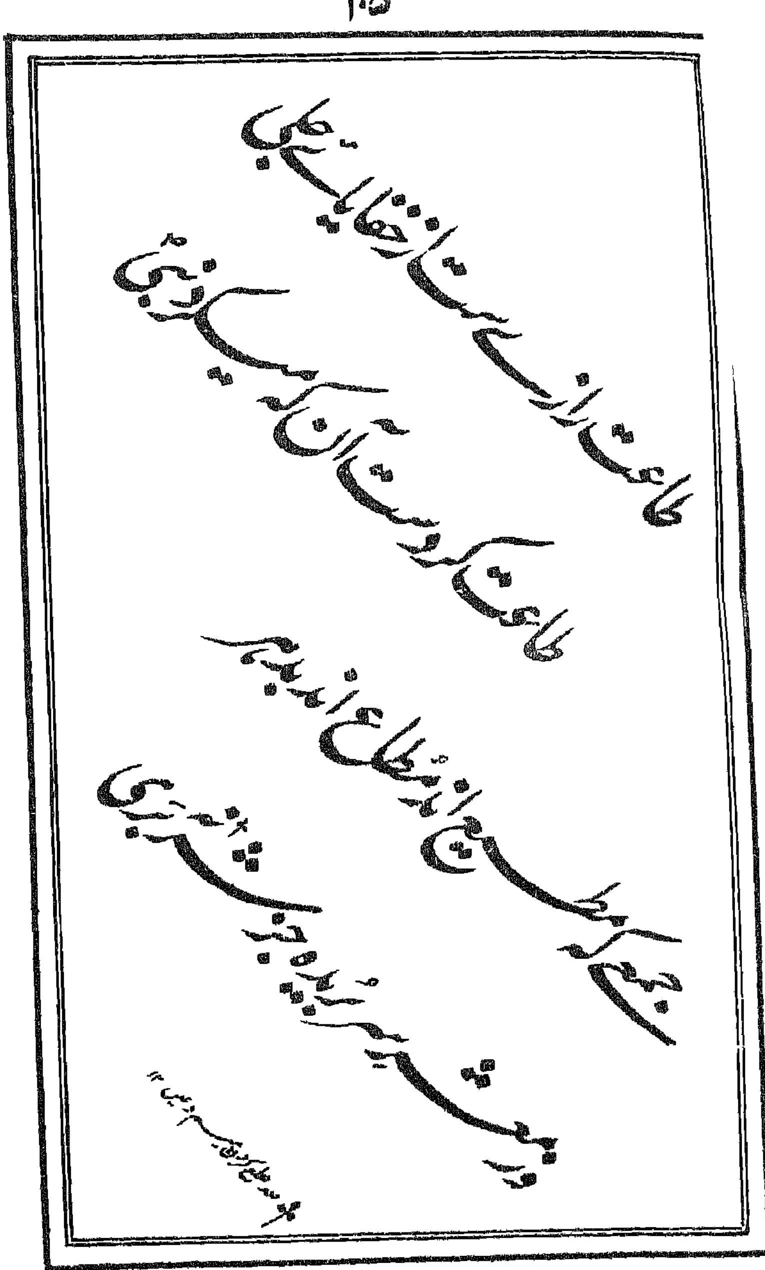




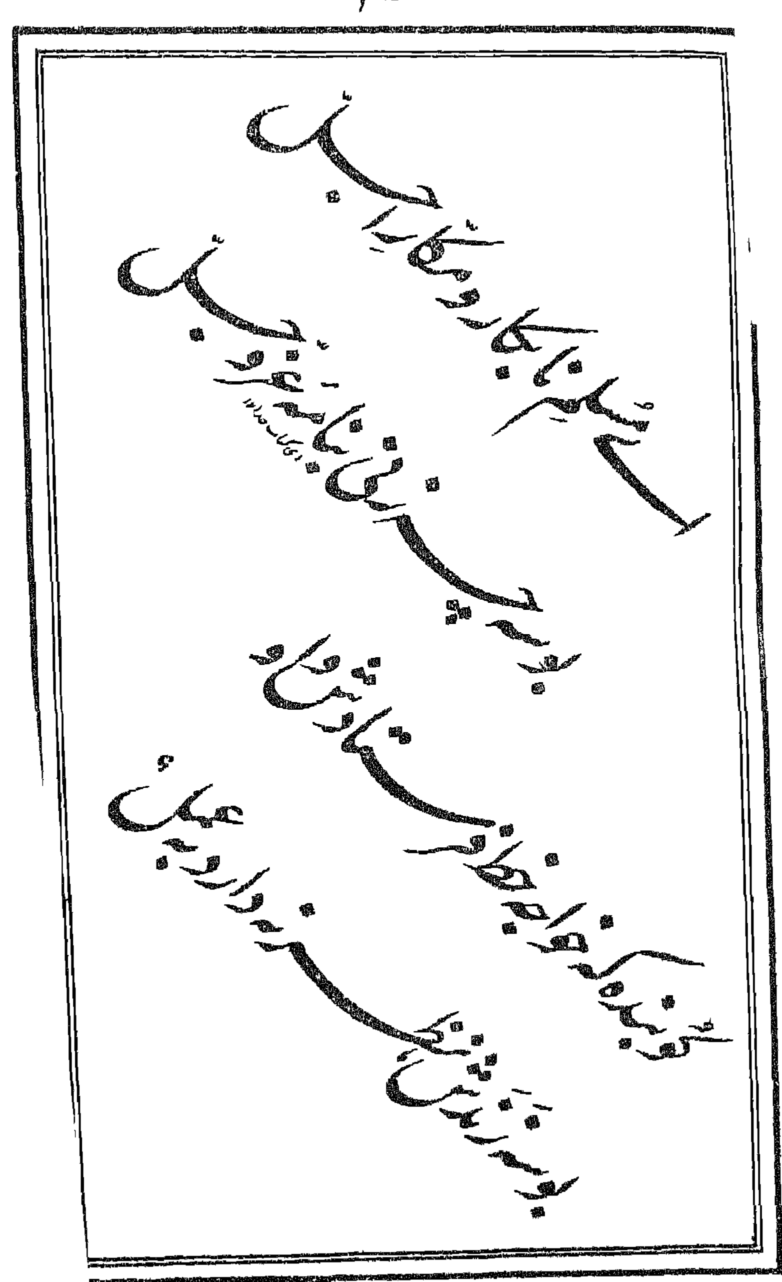


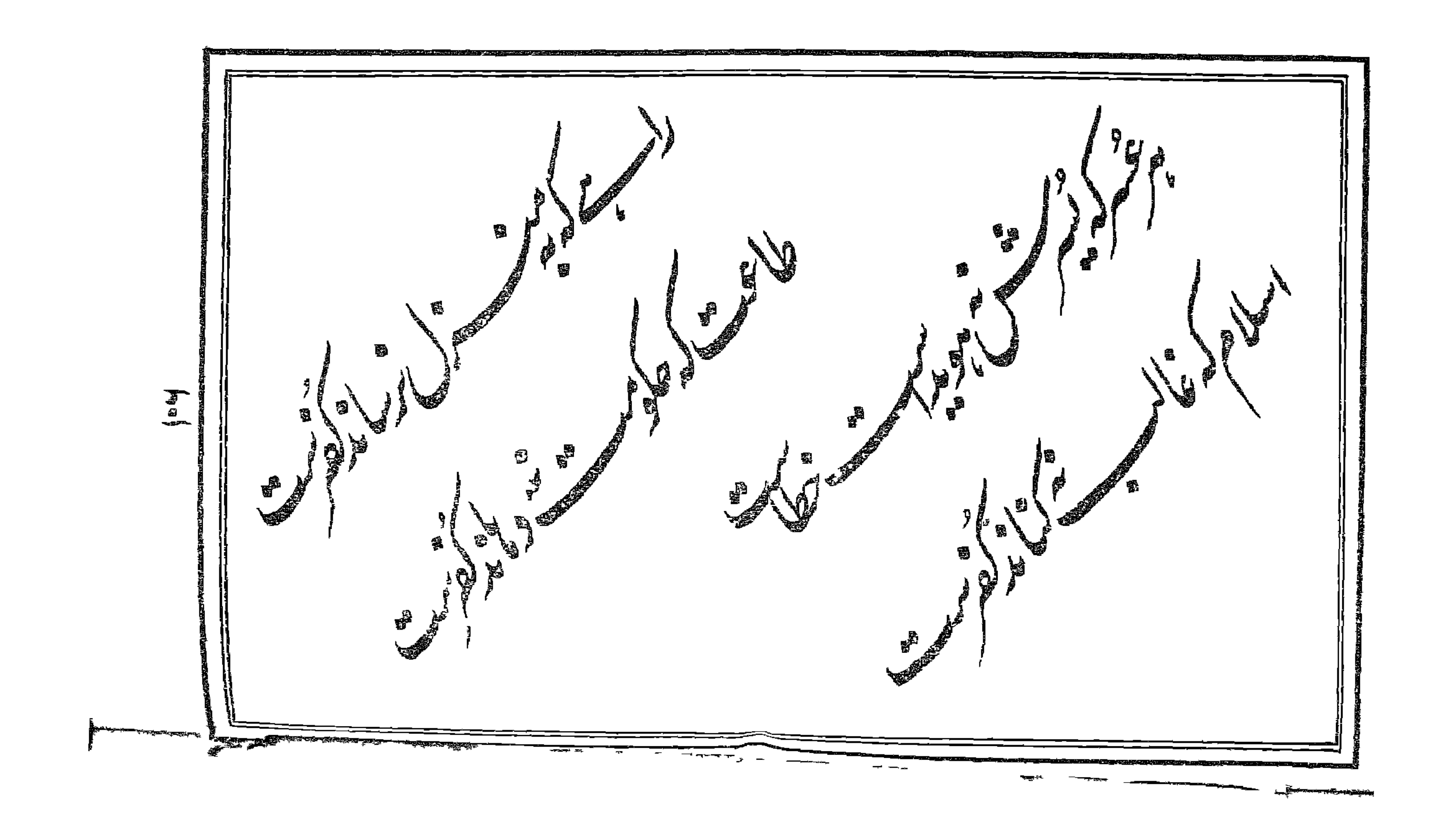


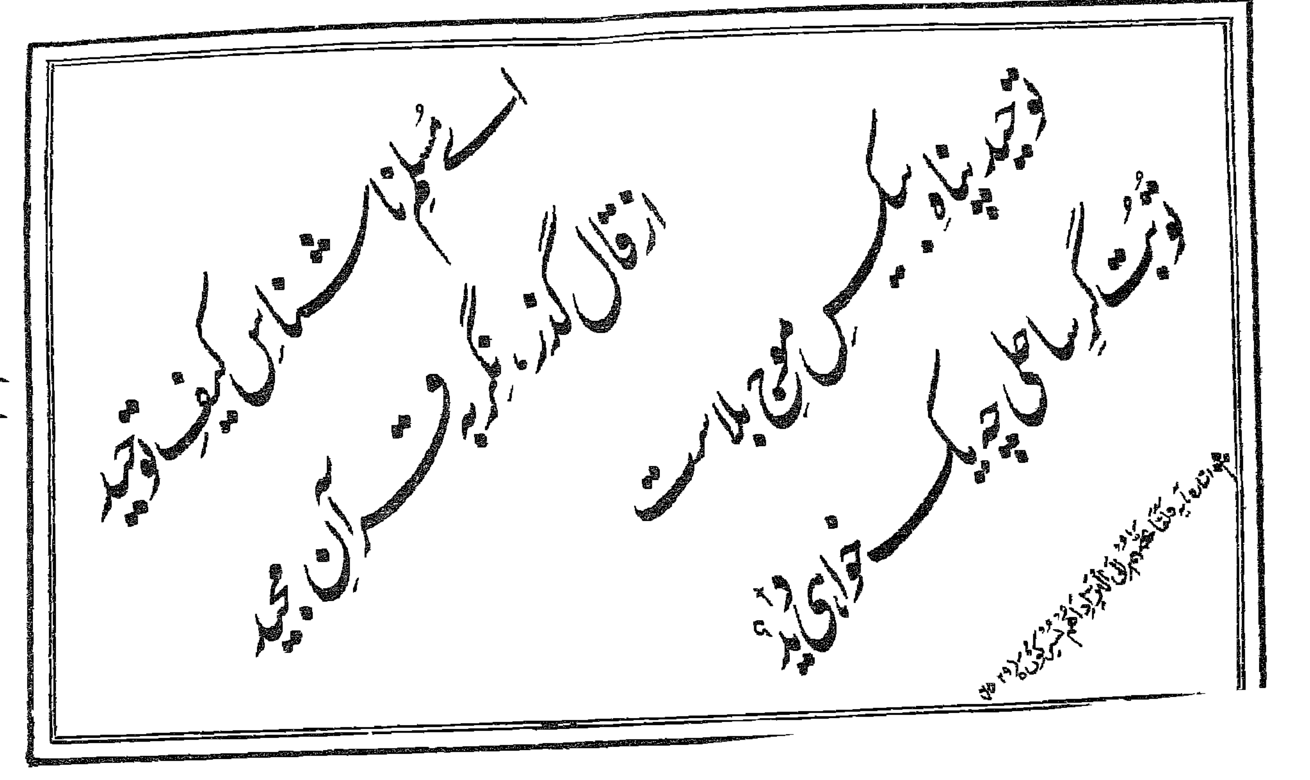

چون سعی نکرده قضا را چه گناه
قرآن چو ندیدی خدا را چه گناه

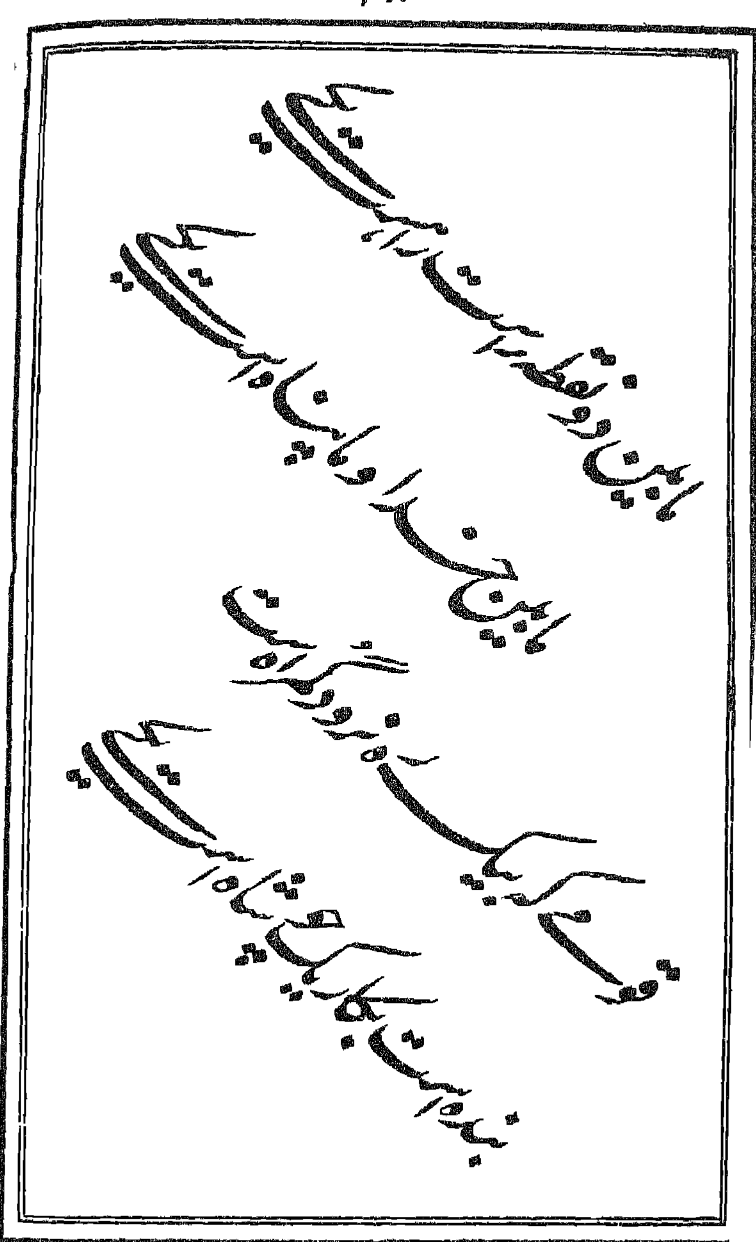


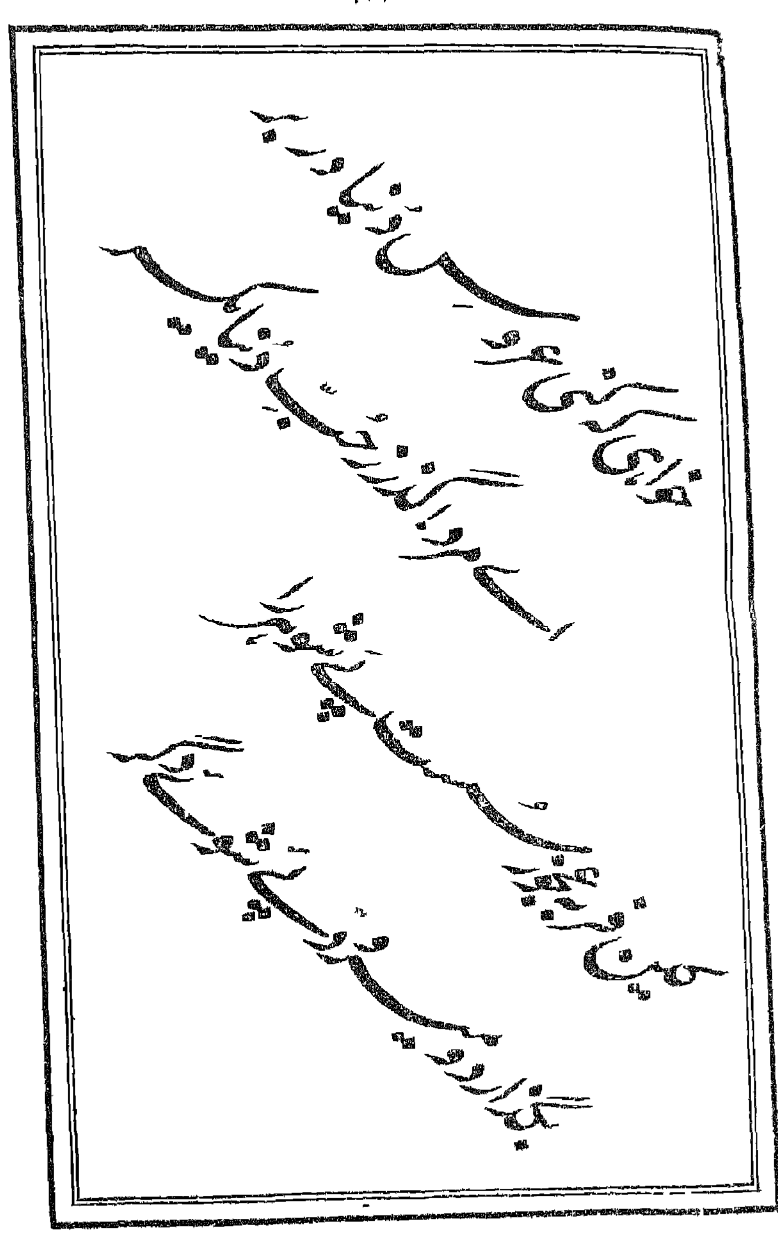


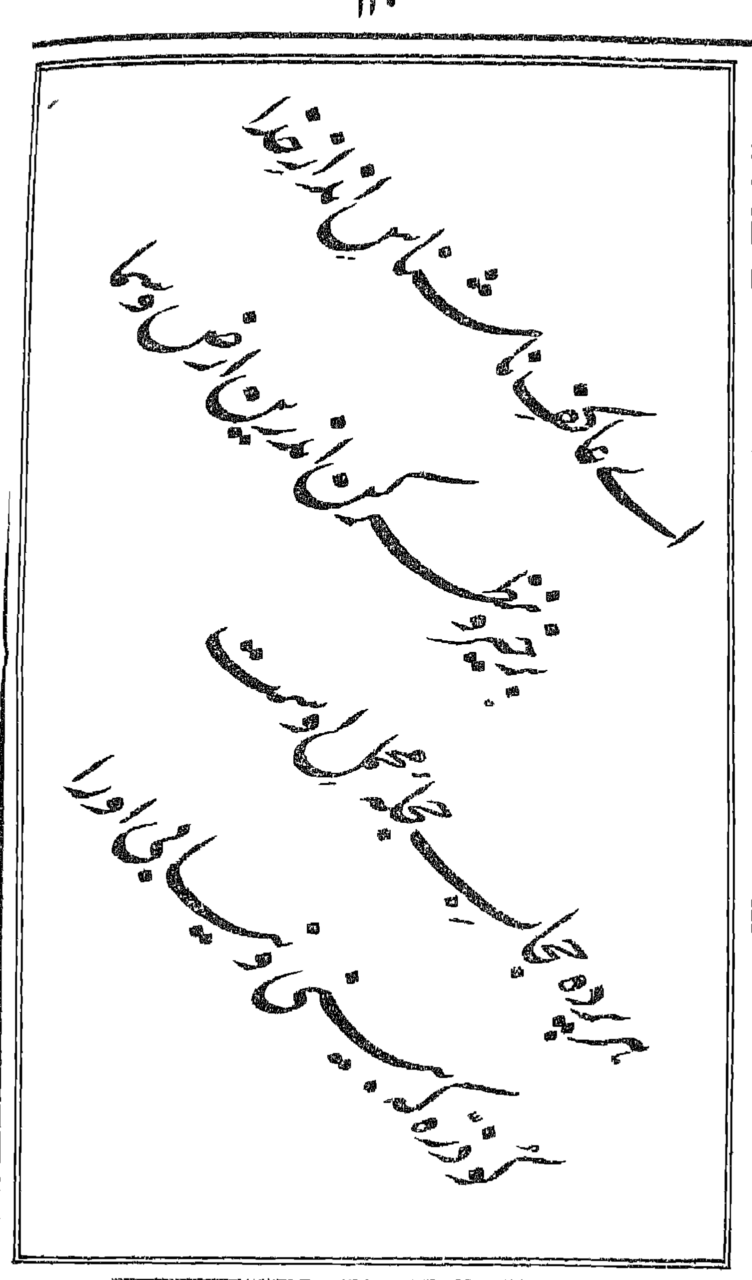


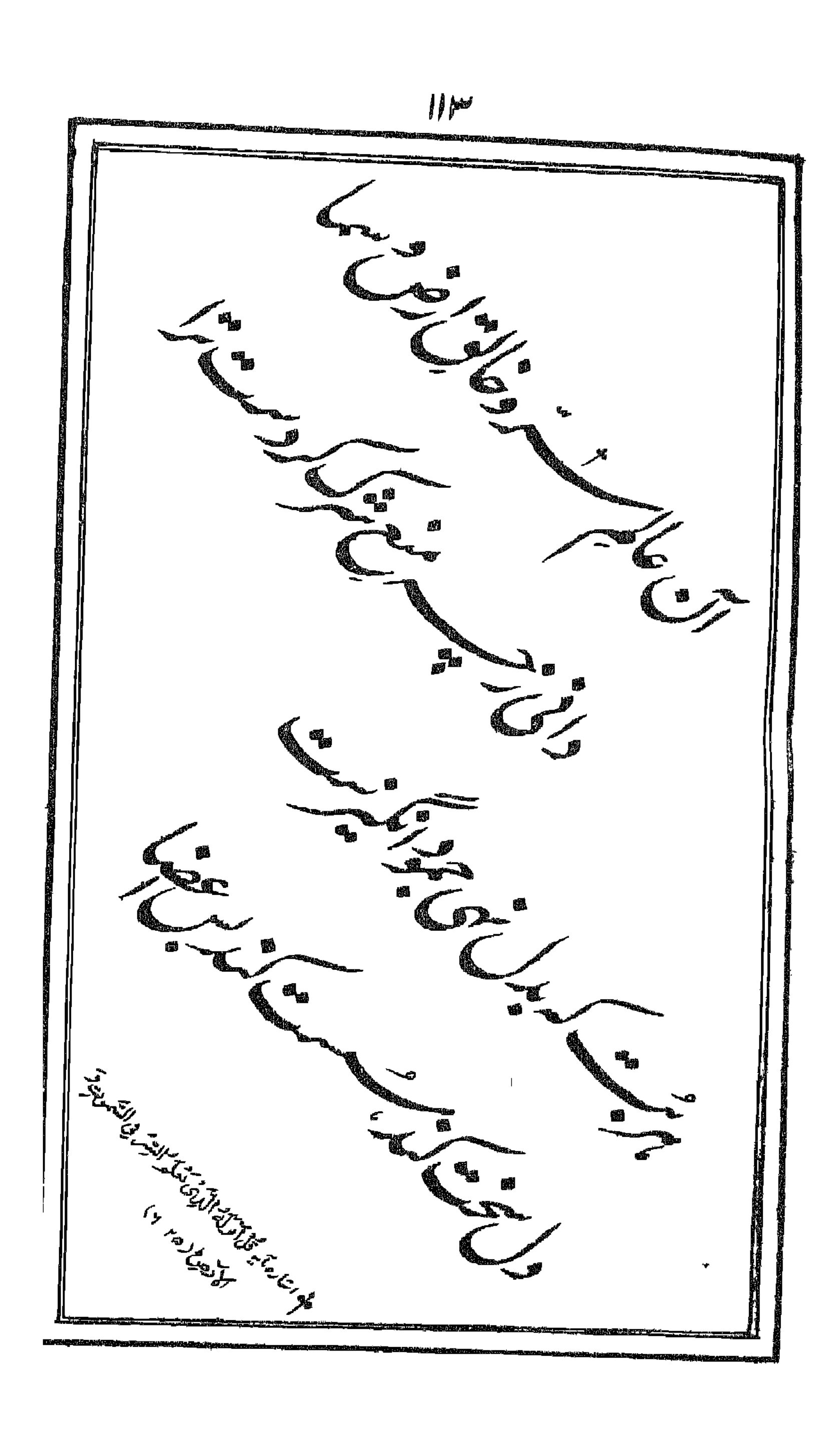



اے مسلمانان شناس کیف توحید
از قال گذر بنگر به قرآن مجید
توحید پناه بیکس موج بلاست
تو بت گر ساحلی چه یک خواهی دید







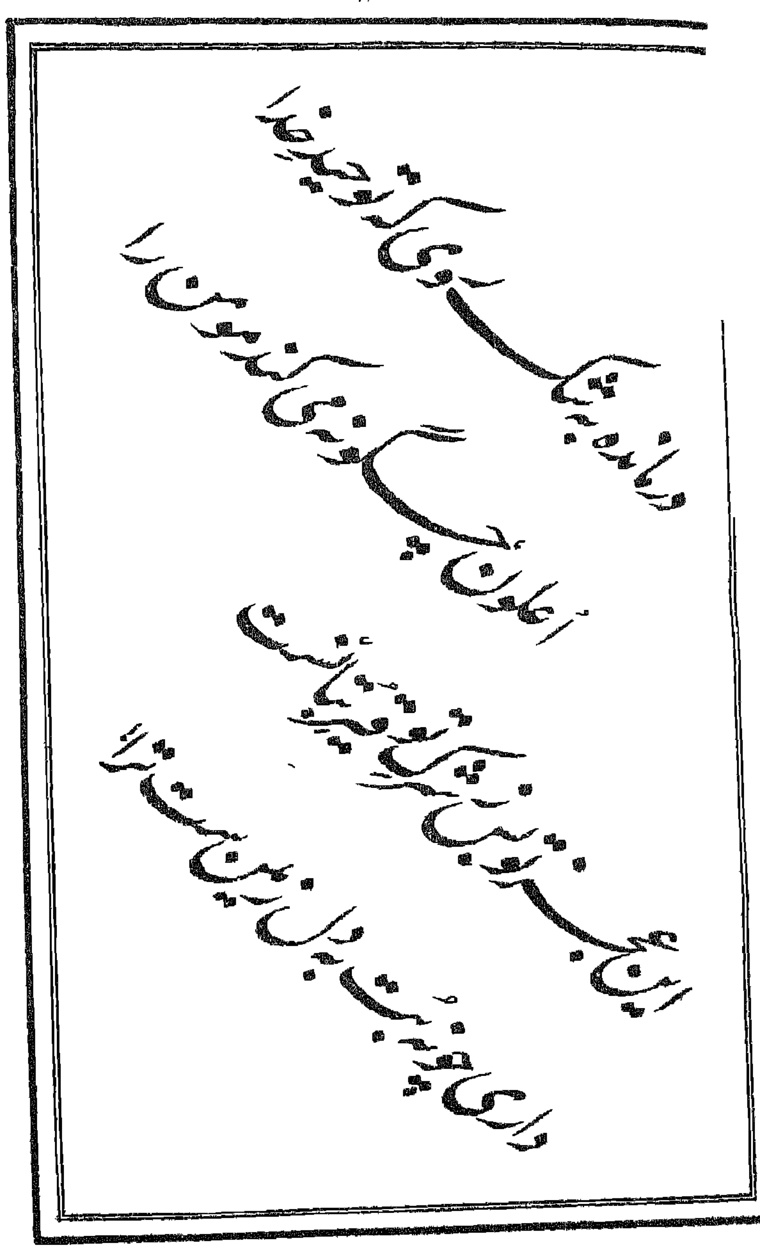


تو چه گویی گذران است و ثبات است جهان را

مشکل [illegible] بی ثبات است جهان را

زنده است آن قوم که [illegible] خویش می‌میرد

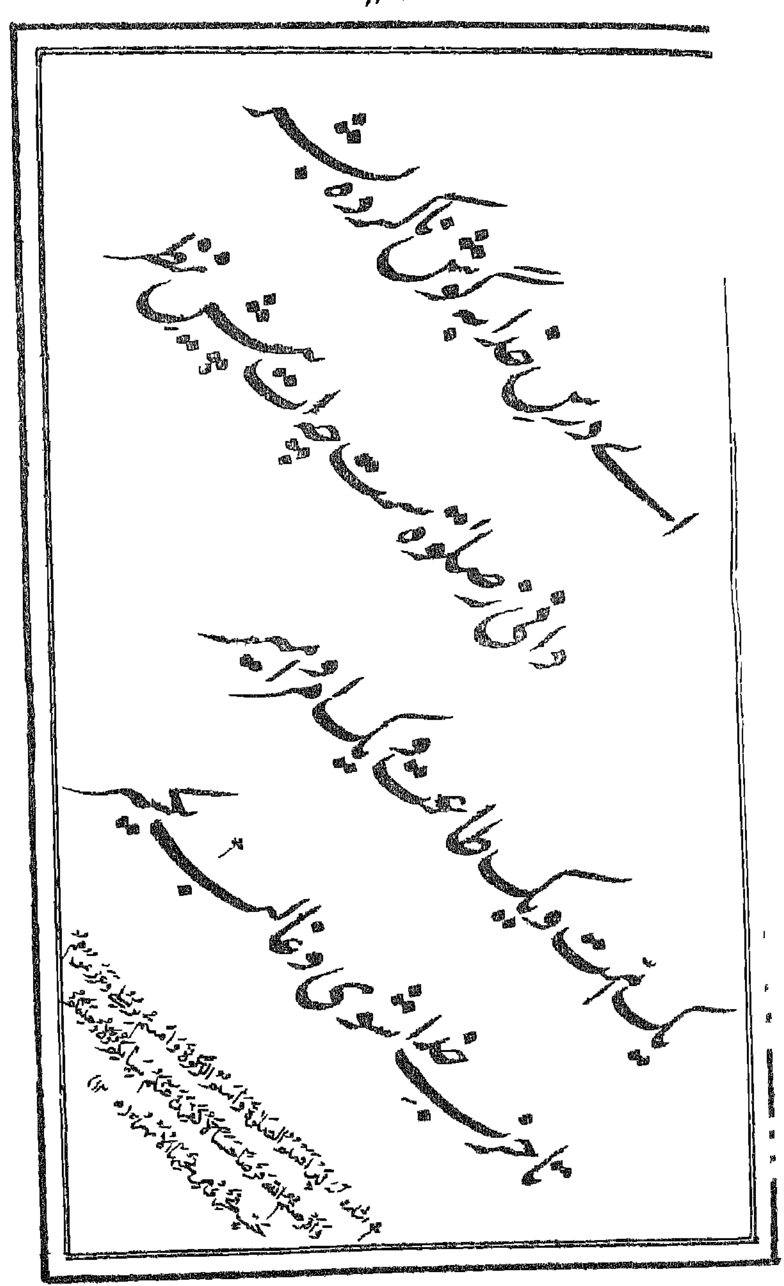
[illegible] حیات است [illegible]



این نسخه حکایتیست ز [illegible] جهان
خوانند کسی که [illegible] افتادگان

آن [illegible] نیست [illegible]
[illegible] نیست [illegible]

[illegible]

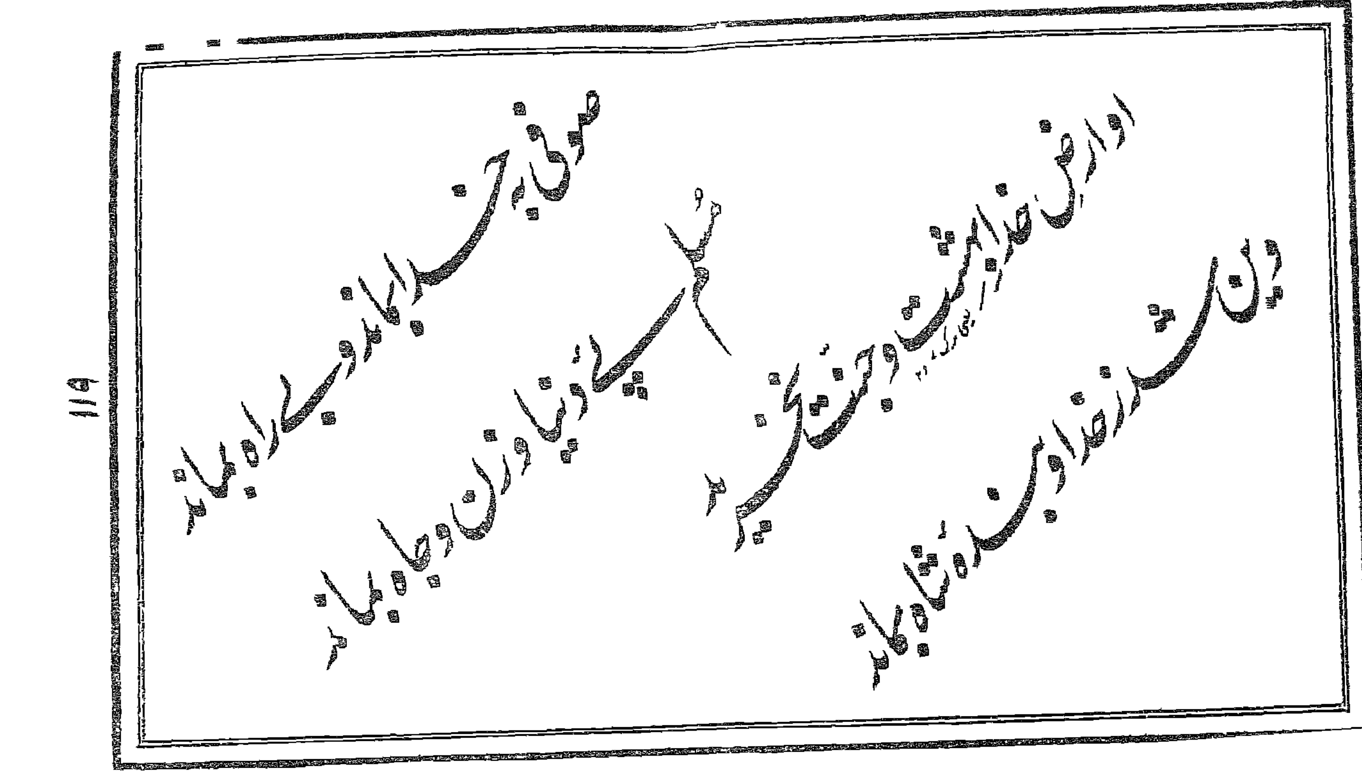


[illegible]

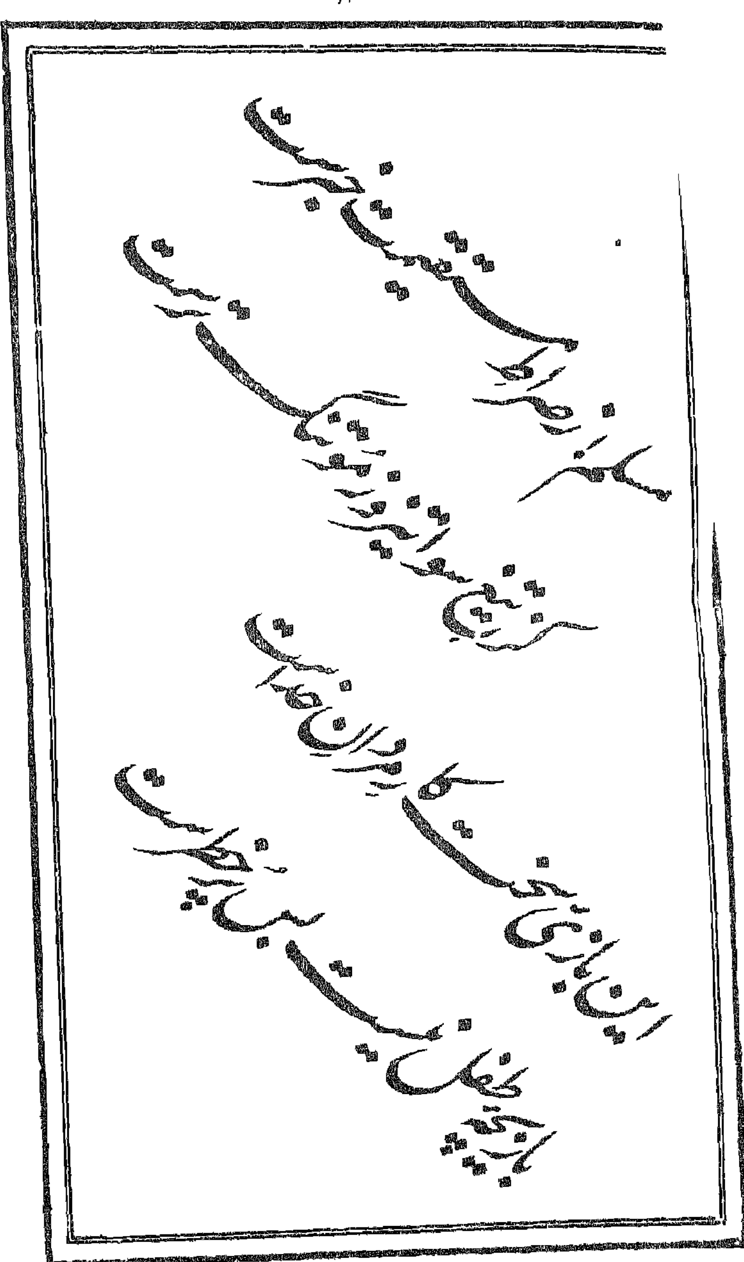
[illegible]

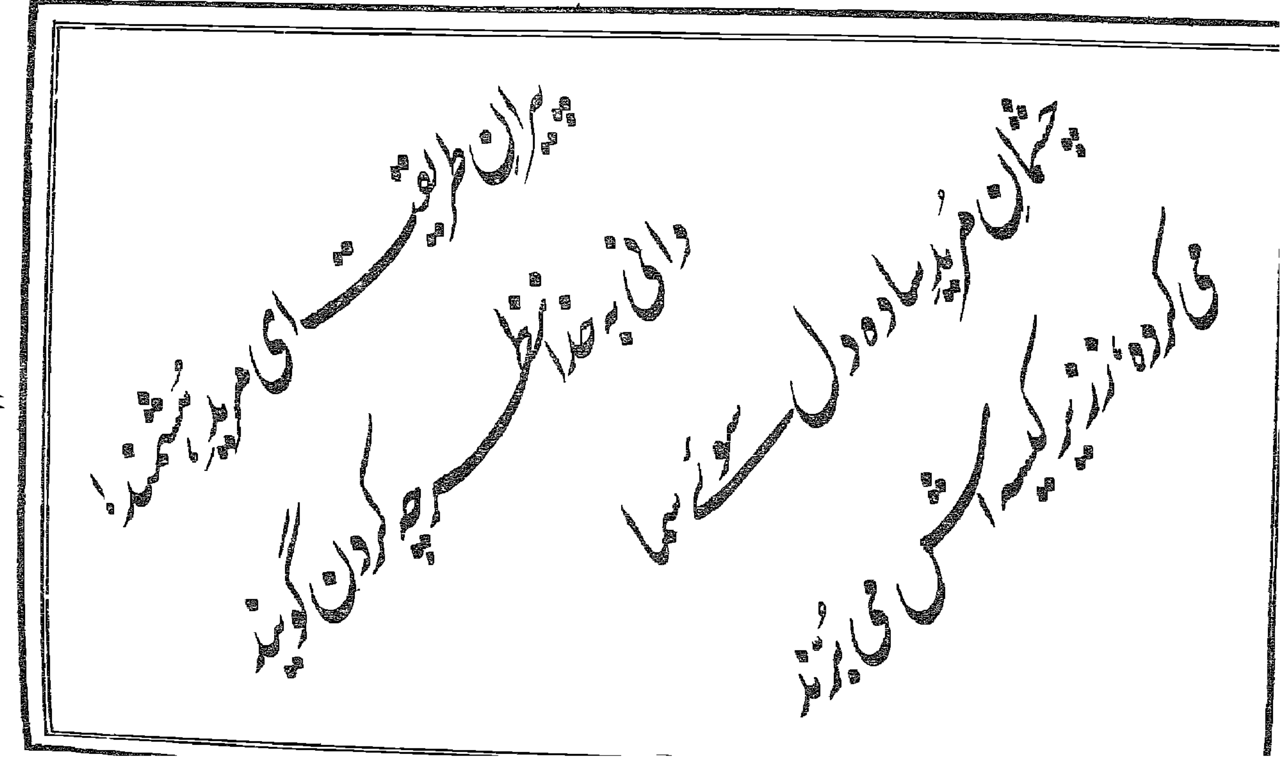
[illegible]

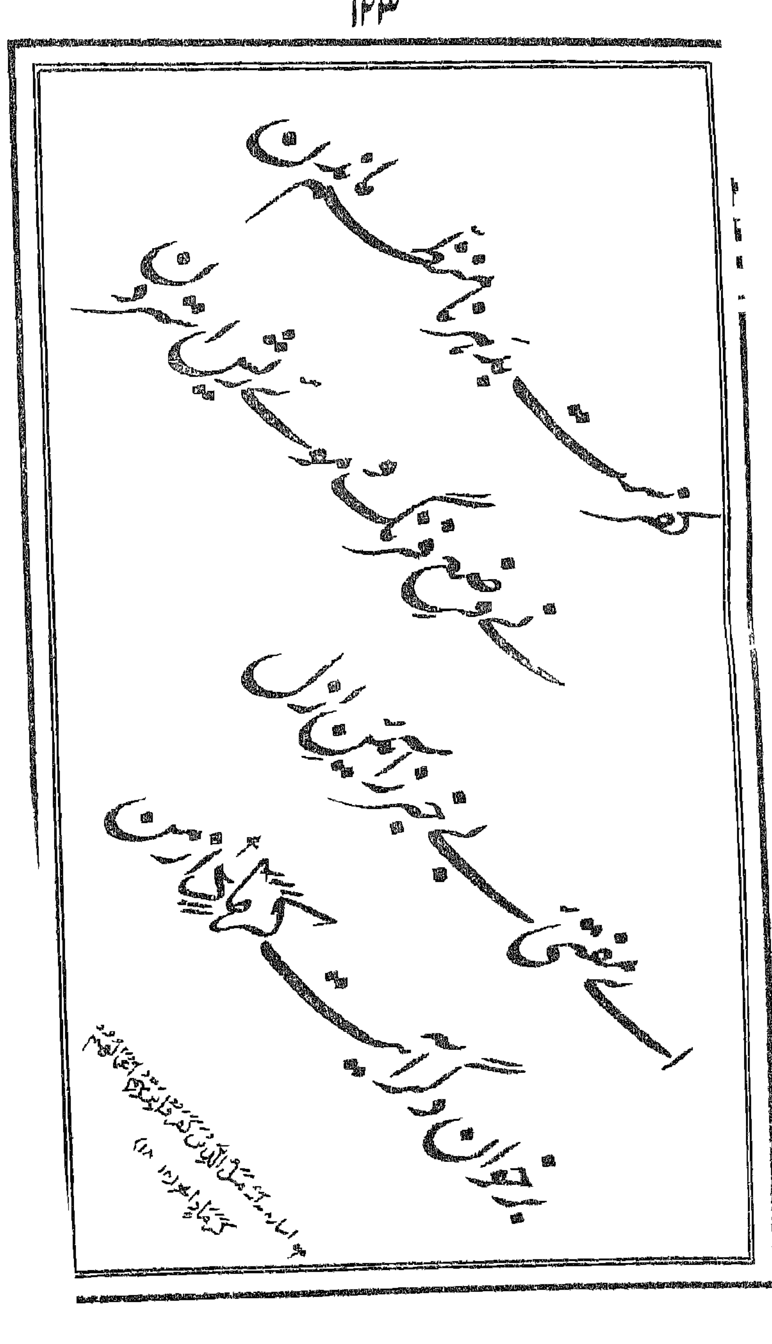
[illegible]








پیران طریقت ای مرید هشمند
دانی به صفا نظر چه کردن گویند
چشمان مرید ساده دل سوی سما
می‌کرده ز زیر کیسه‌اش می‌بُرند



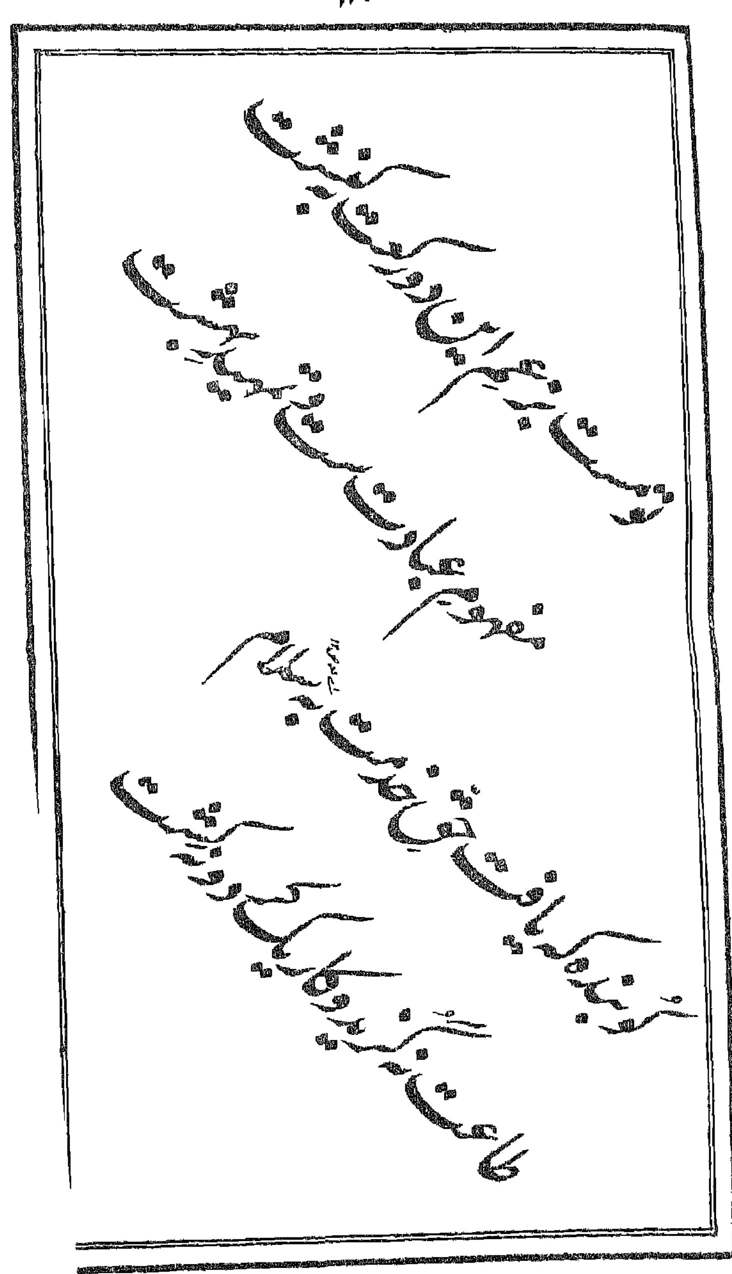
قرآن همه فطرت و فطرت تفهیم

اسلام همه یاد و رسم و اخلاق کریم

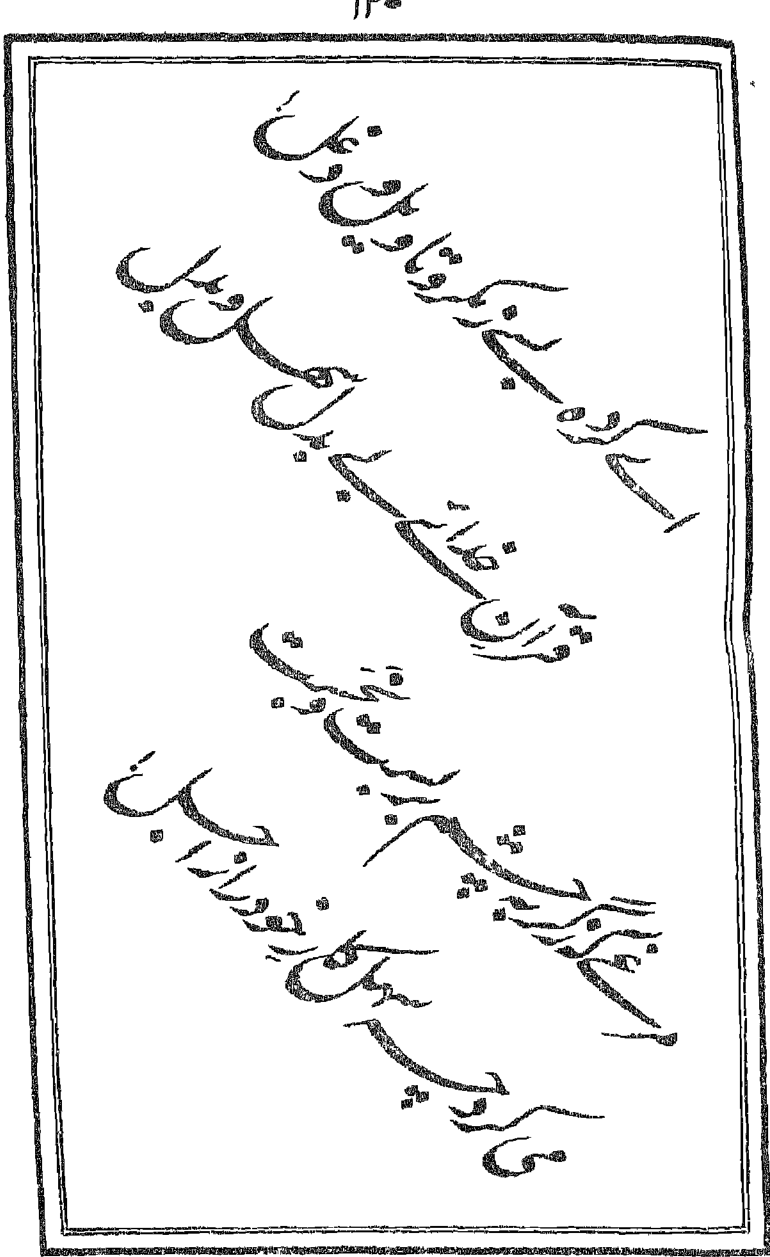
اسلام ز دین و دین ز تعقل

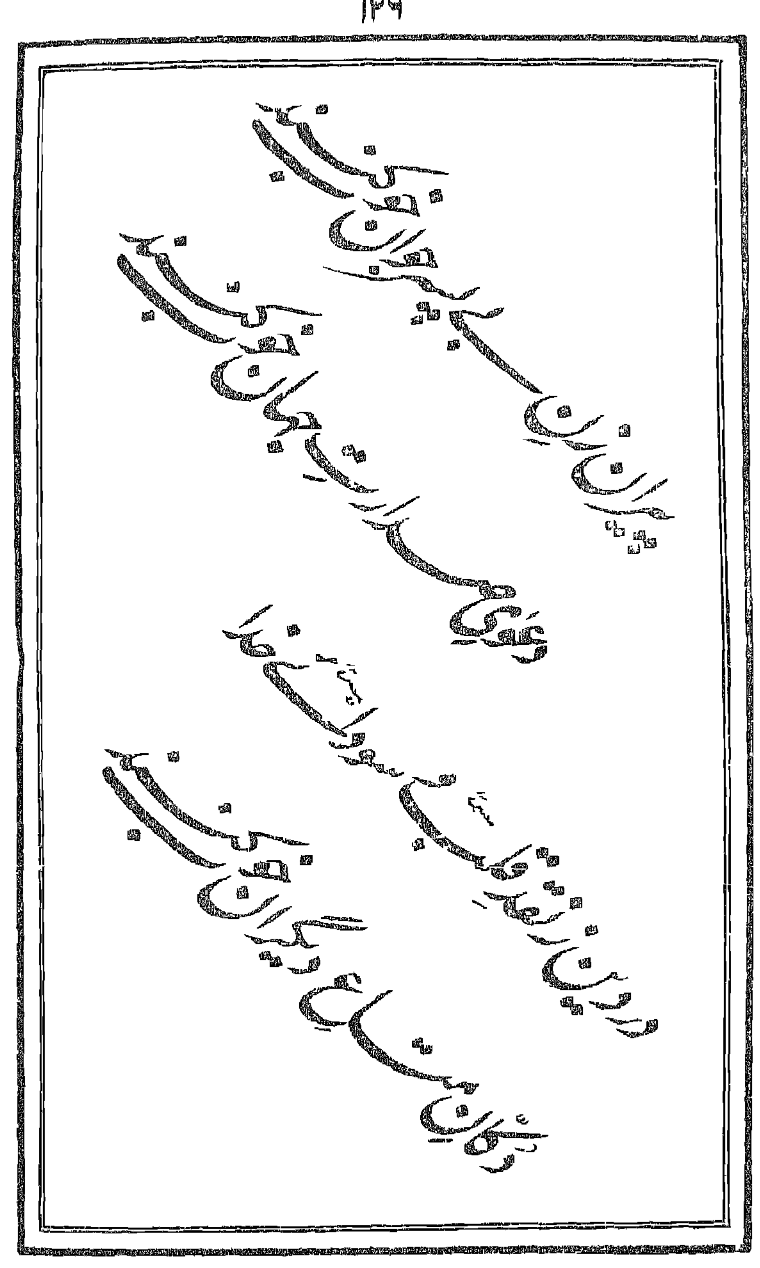
از کیش بر اسلام شدیم فخر

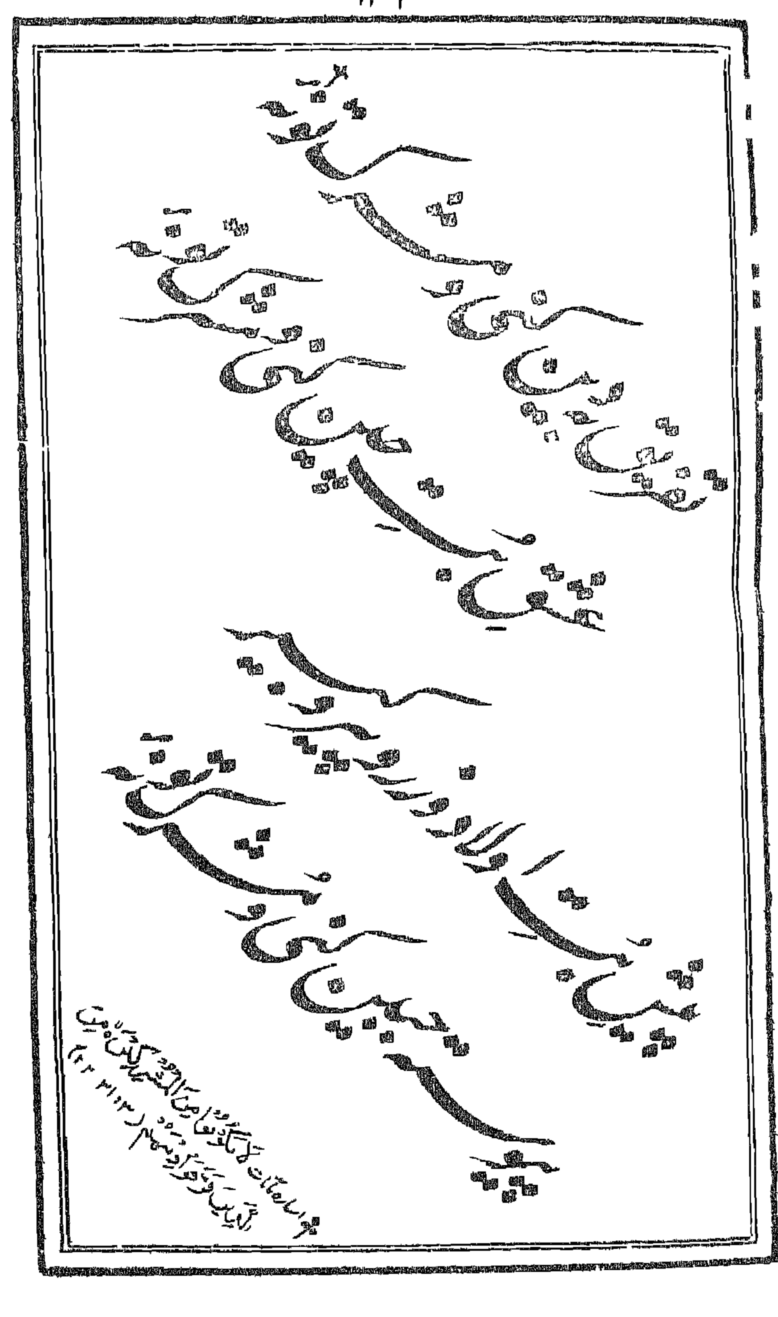
...

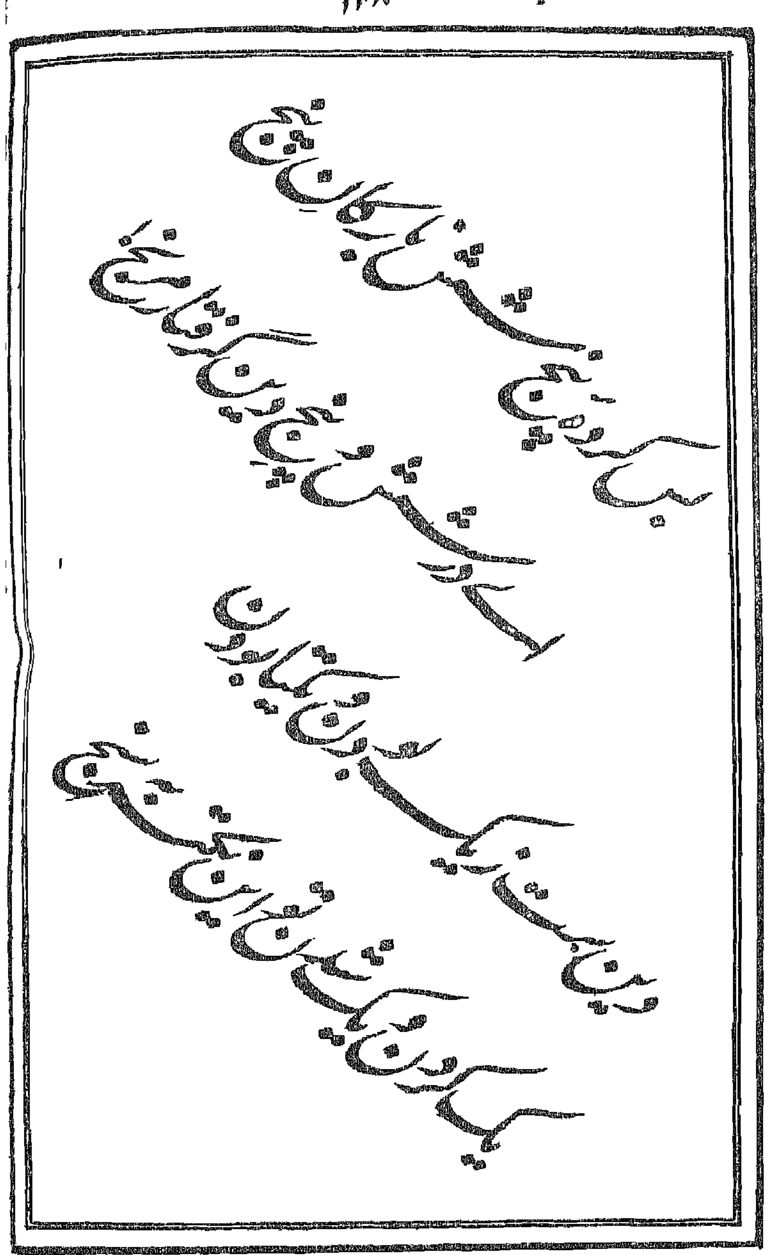


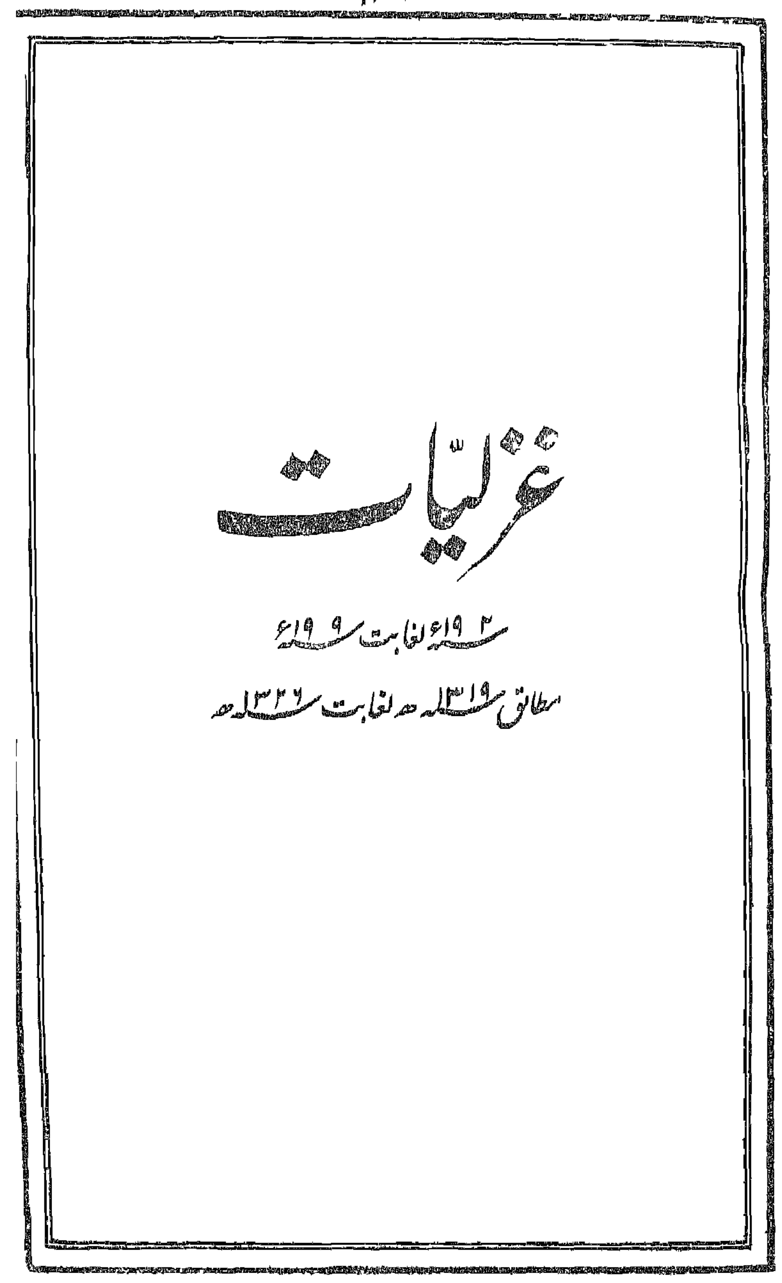
[illegible]







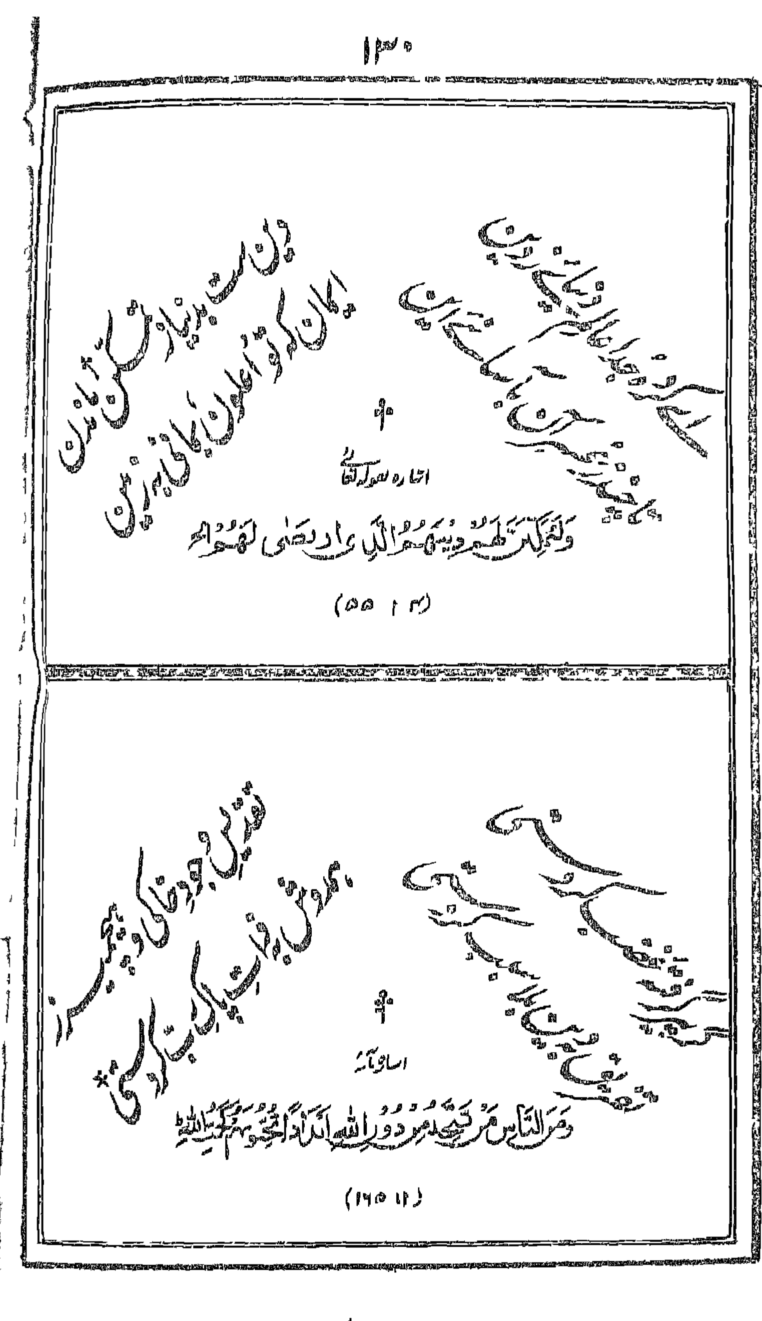




غزلیات

سنہ ۱۹۰۳ء لغایت سنہ ۱۹۰۹ء

مطابق سنہ ۱۳۱۹ھ لغایت سنہ ۱۳۲۶ھ


وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم
(۲۴ ۵۵)
ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله
(۲ ۱۶۵)

[illegible] دل نهاده اند

از [illegible]

[illegible] بار دل نهاده اند

از [illegible]

مردان دل که [illegible] منزل نهاده اند

بسم الله الرحمن الرحیم

گر مه بطلعت تو مقابل نهاده اند

اصلی ندیده اند و مماثل نهاده اند

مردم بیک اشارهٔ آن چشم مردمان

تهمت بدست و بازوی قاتل نهاده اند

از ناز جان سپردن اهلش که قاتل ست

بالیدگی که در تن بسمل نهاده اند

بانوائی کند این بی سروسامانی هم

عار می آید ازین جامهٔ عریانی هم

تازه وحشتکده تعمیر کن ای سست جنون

که مرا سنگ نزد طفل بیابانی هم

آسیاسان بهمان دور بسر رفتم همه عمر

حیف دیدیم نه ما گردش دورانی هم

عمر تو قیصر شد و راند هم راه بیدل

میدهی دوست اگر خدمت دربانی هم

ای محمد وقت ۱۲

دارد سری بپای که بستان منتظر

وز زیر پیرهن شده سرکشی بدل نهاده اند

از عشق را حیات نه از دوستان است کشتم مهجور

کآسانیئی به عقده مشکل نهاده اند

ریا نثار سینه که تصدق کشند جان

کاین بر سر حساب قسمت باتل نهاده اند

ای مشرقی از ذوق طلبکار چشم دار

لیلای آرزو که به محمل نهاده اند

شعله روی بکف آوردم و شیدا گشتم

نار جویان من سرما زده موسی گشتم

گهی خندم گهی گریم چه تماشا گشتم

یک نفس صحبت او کردم و رعنا گشتم

باسیه بختی خود یافتم آن عزّت و قدر

جا بدل یافتم و خالِ سویدا گشتم

ضعفم آن مددم کرد که بی همّت و سعی

من بآن اوج رسیدم که بس عنقا گشتم

جان و ایمان ندیمان به غزائی طلبی

کافر دین شده باز مسلمانی هم!

دعوی مهر غلط، اجر عبادت معلوم

هان مگر پیش تو میسرکیم و تو میرانی هم

مشرقی عشق کجا، عاشق جانباز کجا

ورنه تیارست کریم آن که تو میدانی هم!

وله

ای دوست که شیوه‌های پیرهن همه　　احسان انامل تو باشد

اینک ز نگاه عشوه معلوم　　ایمای دل بسمل تو باشد

قربان تو هر که با دل و جان　　آن عاشق بیدل تو باشد

آب آینه کشیده رو و سر را　　آئینه مقابل تو باشد

آواره ز دست تو به عالم　　پابند سلاسل تو باشد

منزل که فقیر تو اسیر است شاها　　در راه دو منزل تو باشد

ای مشرقی الحذر ز عشقی　　کز خنجر قاتل تو باشد

منم آن کشتهٔ دید تو که بی چشم وصال
عین سر تا به قدم نرگس شهلا گشتم

شوق دید تو مرا نقش قدم ساخته بود
از در یار ندانم که چه یارا گشتم

هیچ یابم نه اثر جذبهٔ لب جان بخشت
هر قدر بهر شفا گرد مسیحا گشتم

مشرقی کیف محبت چه کنم با تو بیان
من چه گویم که چه بودم چه بینا گشتم

متاعِ جانُ و دلم عرضِ نازِ او کردم
سوادِ چشمِ نگر باز در تقاضائیست

وقارِ حُسن اجازت بہ نقش ندھد
خرامِ ناز مگر باز محوِ یغمائیست

بما حکایتِ خلد و سقر مکن زاھد
وجودِ ما ز دو عالم وجودِ عنقائیست

اگر بدے بتو بدمست گفتہ است مرنج
گناہِ او چہ کہ شیدائی بیجائیست

بیا بمیکده امروز شیخ خوش جائیست

مپیچ در غم فردا که کار فردائیست

نمود حسن حبیبم چه پایه افتادست

که مردمک همه در عالم تماشائیست

شعار ما همه می خوردن و طرب حسین

زمانه شیوه نیان شیخ صد هزار ائیست

مدام نغز خرامی گذشت سوی چمن

که سرو را همه اش محو در تولائیست

ای چشم تر ز سیل نگهدار جان ما

ما پیش او عزیز تر از دُرّ و گوهریم

ما کشته ها ز برق الم آب داده اند

ما خرمن نشاط بیک جو نمی خریم

ما داده درس عشق ادب آموز یکدگیم

در نازکی طبع بشاهد برابریم

واعظ گر این همه که بکردیم منکرست

بر بانگ کوس پیش تو گوییم کافریم

به مشرقی تو حدیثی ز حسن یار مگو

که حال شعر تست به شعر شیوهٔ مرده مرحبا نیست

بگذار تا ز جان و دل خویش بگذریم

کز خویشتن گسست بشاهی سر بریم

یارب بسنگ شیشهٔ ما زن که چون جهان

آواره در اثر طرب همچو ساغریم

تا ز پا ننشیند آهسته ناله را سر میکنیم

آب بر رویش که تا برخیزد آنگه سر کنیم

ساقیا گر دل شکست و شیشه ام بر سنگ زد

تو بیا اشکستیم و ما ساغر به ساغر میزنیم

آنچنان رندیم کز بدمستی و تردامنی

در سقر آب افکنیم آتش بکوثر میزنیم

تو چه میخوانی نوآموزا که جان در راه گم

بارها کردیم و لاف عشق کمتر میزنیم

دل برده دست جان بلب ایمان معرضِ بیع

تا یک نفس بروئی جمال تو بنگریم

واعظ مپرس حالتِ زندانیانِ عشق

آسوده ما که زین بدر بے باز ننگریم

ناصح بعشق ذکرِ حدیثِ صلاح چیست

ما نیک منتظر ز همه پاک بگذریم

ای مشرقی ادرے بطلب از سرِ نیاز

باز این بگو که بندهٔ سرکارِ آن دریم

چون سوز شمع را نه سخن مختصر گرفت

هر شب ز ساز عشق زبانی ز سر گرفت

یاے مجہول ۱۲

از پرده تا بجلوه هزاران منازل اند

ایں جلوه نے چو یار ز رخ پرده بر گرفت

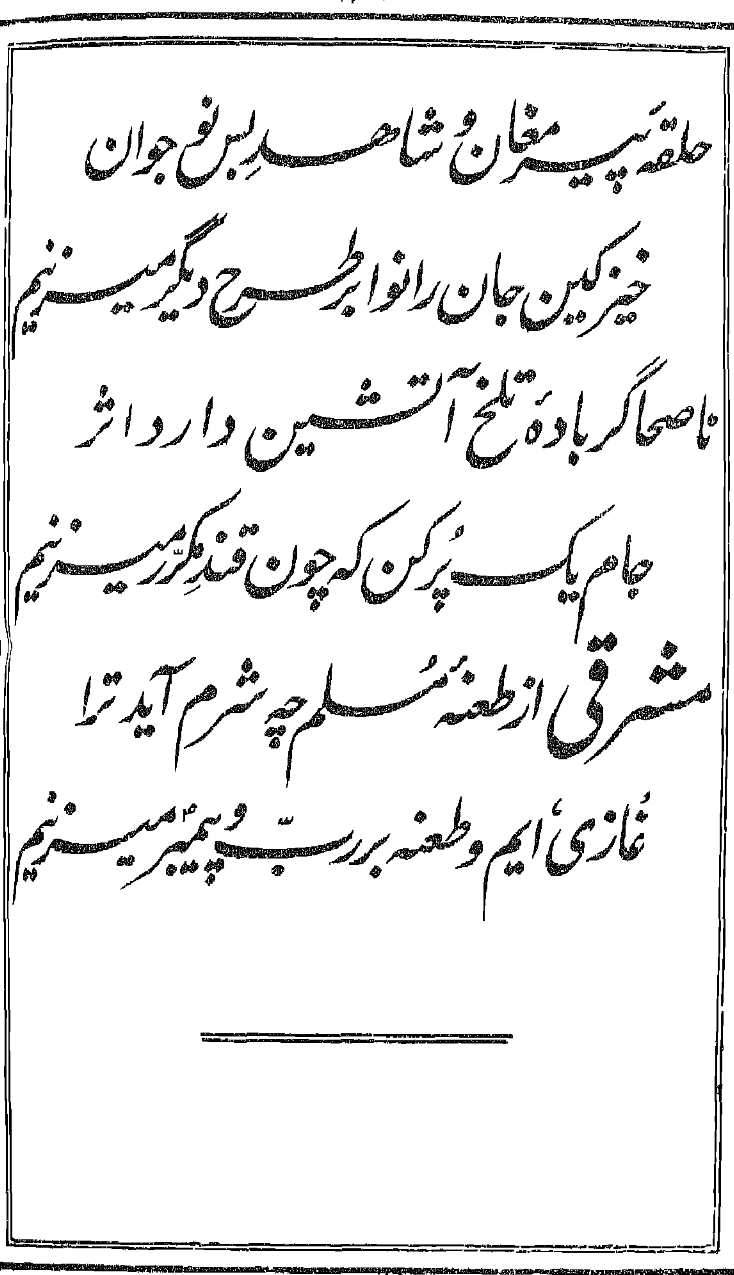
ای شوق پرده در سر بیچارگی بنه

مرغ هوای راه هوس بال و پر گرفت

اسے گرفتار کیا ۱۲

مواج بود ناله که چون بحر شد روان

حراق بود آه که چون شعله در گرفت



حلقهٔ پیر مغان و شاهدانِ نوجوان
خیز کین جان را نوا بر طرحِ دیگر می‌زنیم

ناصحا گر بادهٔ تلخ آتشین دارد اثر
جام یکسر پُر کن که چون قندِ مکرر می‌زنیم

مشرقی از طعنهٔ مُسلم چه شرم آید ترا
غازی‌ایم و طعنه بر ربّ و پیمبر می‌زنیم

گره بغنچهٔ آن عشوه کام افتادست

مدد که مشکل ما لا کلام افتادست

هنوز کنگرهٔ بام وصل شاهد را

کمند نیست که طشتم ز بام افتادست

بیا بمیکده ساقی که در غم تو مرا

سبو ز خون پر و آتش بجام افتادست

نزه چه رغبت برخاستن همی ای شیخ

که پرده از رخ ناموس و نام افتادست

از نفس واگذار که در بندگی یکی ست
ای نفس قطع کن
گر خواجه این گذاشت وگر آنقدر گرفت

کم کن روا که از ستم بی پناه تو
حالم چنان شدست که مجنون حذر گرفت

ای مشرقی ز شهرت سودای عشق تو
کوهکن گذاشت تیشه و کار دگر گرفت

من که بس سوخته جان از غم جانان رفتم

بوالهوس سوخت که چون شمع فروزان رفتم

آن شدم کشته عشق تو که با مطرب و عود

تا در گور بتابوت غزل خوان رفتم

خس بدندان بدرش رفتم و عیبم کردند

که طرب ساز نواهای نیستان رفتم

آمدم تا بدر او بصد امید قبول

که به بی عزتی هیچ میرزان رفتم

غلام همت مستم که از درت چند انکه

لکدزنی و بیرانی مدام افتادست

کنون چه تکیه [اعتماد] به بادپای عمر روان

که از دو دست سوارش زمام افتادست

به مشرقی چه حدیث نوای آزادی

که مرغ بی پر هست به دام افتادست

رفتم و در راه تماشای ره گمگشتهٔ عشق

تهنیت گوی که چون شمع شبستان رفتم

از سمای بلندی گردون سا کوشش شکن

تا بگویی بجود اینک ره مردان رفتم

پاگران کردم از عظمت تعبیر جنون

چون بوحشت کدهٔ خاربیابان رفتم

لوح دل داد مرا تا ادب آموز ازل

بهر هر حرف تمنا به نیستان رفتم

بحرم نعرهٔ لبیک زدم کس نشنید

آمدم از در ویرانه و حیران رفتم

آمدم بسر بزم تو و راندند مرا

که چنان آمدم و باز چه آسان رفتم

کس نشد پردهٔ اخفای من ننگ وجود

مرگ جویان بسر چشمهٔ حیوان رفتم

ترسم ای عشق باقصای تقرب نرسی

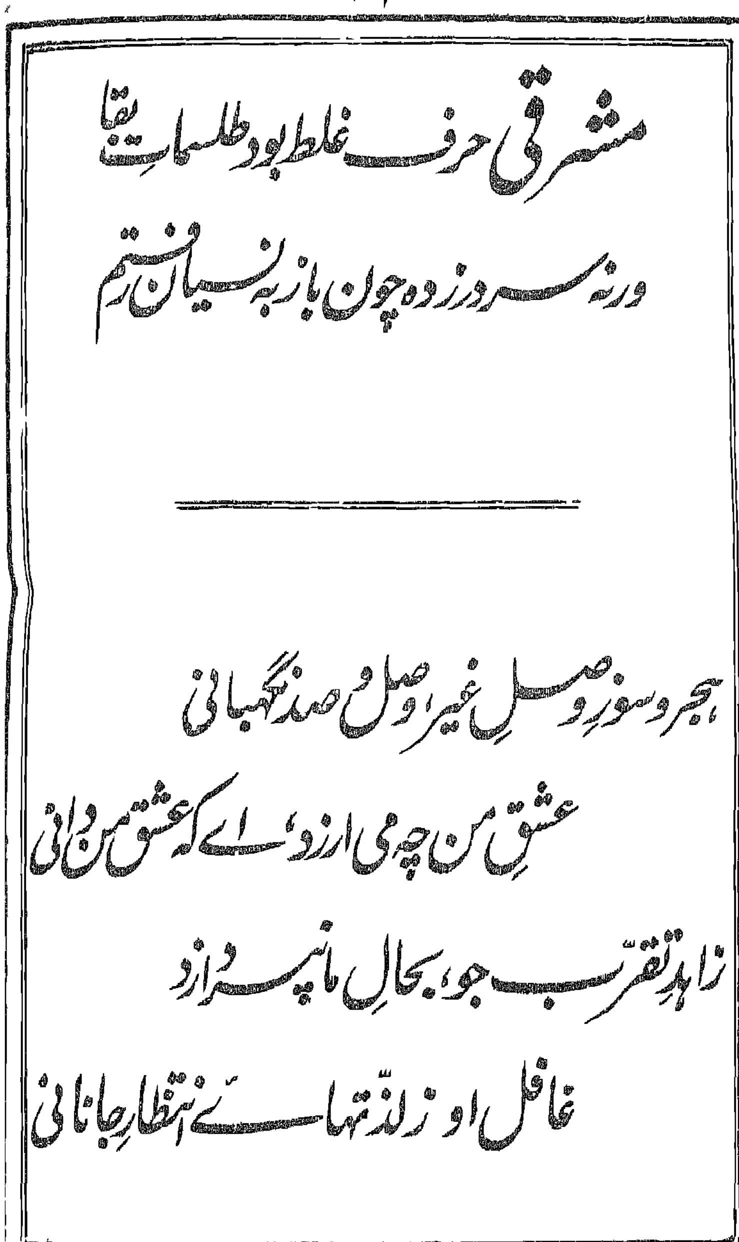
که زجان سوزن زخم بسته بدامان رفتم

...ه مسلمان نشد بتکده چو ای واعظ
از من آرچه نا موزی نکته های عرفانی

باد همپایم طرف تر اثر دارد
می سزد کنم گر من دعوی سلیمانی

بچشم حق بینی وارهی ز بند غم
کاندرین شکستنها بستهاست پنهانی

...نگار شاهد جو ! پرده از رخت برکش
تا بروی تو بینم حسن یوسف ثانی



مشرقی حرف غلط بود ظلماتِ بقا
ورنه سر در زده چون باز به نسیان رقم

هجر و سوز و وصلِ غیر و وصل و صد نگهبانی
عشقِ من چه می ارزد ای که عشقِ من دانی
زاهدِ تقرب جو بحالِ ما نپردازد
غافل او ز لذّتهای انتظارِ جانانی

فسون من بجادوے چشمش اثر نکرد

هر لحظه خون گریستم او یک نظر نکرد

فت که داشت با دل من کار زار جان

گرد آن که کس معامله با او دگر نکرد

ب حشر خون که شمع بپا کرد و خنده زد

شامت چنان گرفت که ظالم سحر نکرد

دل نحوست لذتِ پایندهٔ فراق

کو وصلِ شب بسی که فلک مختصر نکرد

چشم هندویت بنگر خون خلق می ریزد
کافرانی نرسید دعوی مسلمانی

محتسب بیک ساغر یار میکشان باشد
درد بر کفش نه تا پای او بلغزانی

مشرقی بالفت وی سرکشی نمی شاید
خاک شو و دم درکش پیش ازان که بتوانی

من کیستم کہ جان ز تصدّق کنم دریغ
چون مشرقی متاعِ دل و دین سَر نہ کرد

مسلمِ خستہ تن چہ شد حشر بپا نمی کند
راہِ زمین نمی زند عزمِ سما نمی کند

ہر نظرے ز انجمن ماندہ و عزم بر شکن
چیست کہ باز از نگاہ کارِ قضا نمی کند

یارب تو شوخ و زد نظر یک شبم نواز
کز رخت صبر پاک ربود و خبر نه کرد

بگذشت جان چنان که گذشتم بسی جان
وان کم گذر ببین که بمن یک گذر نه کرد

آتش به آب زن که درین طرفه گاه بسی
یک آه کرده است که صد چشم تر نه کرد

نجم و شجر ز بیم و رجایش به لرزه اند
وین هرزه کار بین که ز ریش حذر نه کرد

دل شاد شوی [illegible] پنهان

وین [illegible] عجب [illegible] فراق [illegible]

[illegible] نظر [illegible] ناک [illegible]

خوف [illegible] فرنگ [illegible] شرم [illegible]

قول و عمل [illegible] مشرقی [illegible]

این [illegible] رسایت [illegible]

شیشه و بزم و جام می شحنه شکست پے بہ پے
چیست که توبه بشکند، طرفه خطا نمی کند

عشوه گرے که در زمن طرح فگند از چمن
دل به گلے نمی دهد، یادِ صبا نمی کند

مردِ غیور کش ببر جُفت عروسِ سلطنت
صحبتِ غیر غیرتش زلزله زا نمی کند

مردِ خدا که کوه را گرد چو کاه بیندش
خوفِ خدنگ می کند، خوفِ خدا نمی کند

گر سلطنت و مسند و بهشت شام و بارگه

رنجیده از سلام چنان کش ز جان کند

گفتم به سعی و جهد و عمل آیت حق [illegible]

تغییر و قضا که گمان می‌توان کنند

گفتم چه حجت است آیه حتی یغیروا

گفتا که این سخن شنو ز لیس [illegible] توان کنند

گفتم چه مطلب است ز الفاظ ما سعی

گفتا این ثواب روز قیامت بیان کنند

آیه ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم (۱۳: ۱۱) و در آیه لیس للانسان الا ما سعی [illegible]

گفتم چه ظلم این چه شرافت شهان کنند

تقدیر این چنین است بگفتا چنان کنند

گفتم [illegible]

گر ز انتخاب ماست همین [illegible]

گفتم خود انتخاب چرا کرده ای بگفت

شاهان کسی معامله این گاه آن کنند

گفتم خدای ظلم ندارد روا بگفت

نشنیده شاهان جز بیت چسان کنند

گفتم کہ شرطِ خلد جہاد ست، گفت بود

منسوخ شد ولے، علما این بیان کنند

در دین خدائے ما نہ نہادست تنگئے

تا مردمان ز شوقِ خودش حرزِ جان کنند

جنّت خدائے بخل نہ کردست از کسے

اقرار باللسان بہ دل ار بندگان کنند

بنیادِ دینِ ما ہمہ بر قول ثابت ست

گر لاالٰہ گفت کسے در جنان کنند

گفتم که گفت حزبِ خدا غالب اند گفت
محرم بسے نہ کہ چہ تاویلِ آن کنند
گفتم صحابہؓ از چہ جانبان شدند گفت
اے بی ادب سلام بر آن انس و جان کنند
تو نامِ شان بری و دعائے نمی دہی
کس را چہ ہمت ست کہ اتباعِ شان کنند
گفتم کہ مومنے نہ اعملون چون نہ
گفت این زمان بہ مسجدِ ما مومنان کنند

گفتم که از کلام شه سعدالآثر بپس بخوان

گفتا این زبان به غزل خداکم بیان کنند

گفتم که دین احمد و چون نیاز داد گفت

اسلامیان محض سهرند به سود و زیان کنند

آن قوم که دین ابتر شده و مسجد خیر

زان چیست ... به سود و زیان شند

ز اسلام و دین من همه بهار احمد کرد

از اردو اه مما همه تن الامان کنند

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گفتم چو سیب چاهِ زنخ شد زِ کرای ؟ بگفت
الحق تو کافری که به فرخ روان کنند

کافر مرا بگویی و ترسی نه از خدا
وان کز خدا حذر نکند وقفِ آن کنند

گفتم بچشم اینکه چه بد خالق ست او
کز وجه حسن آفریده حسنش بیان کنند

گفتا تو بی ادبی و استاد بدی
شرط ست ننگ، ورنه بدارت کشان کنند

آخر چه هست تا نگروهی به سبب شهر

بس سرّ خدا که ز چشمانش نهان کنند

گفتم چه گوئی ارض و سما باطل اند گفت

قرآن نگوید این، علما این گمان کنند

گفتم که آنچه هست برین ارض فخر او

گفت آنکه تا نه همسرش از بتان کنند

گفتم چه کرد فخر نژادی من تفوت

گفتا که تا نهیب خدا کافران کنند

۱ اشاره به آیه وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلا ذلک ظن الذین کفروا (۳۸ ۲۷) ۲ اشاره به آیه والارض فرشناها فنعم الماهدون (۵۱ ۴۸) ۳ اشاره به آیه ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فطور (۶۷ ۳)

هر لاله که سر زد از زمین خونین دل شد

گفتم که چرا بر سر ما آمده بودیا

گفت این عمل ملائکه و قدسیان کنند

گر دیده ور کرده ما را چه الفت است

گفتند این عمل نه سزاوار جنیان کنند

گفتم که عیب ما نیست بیان تا خموش گشته

گشته بر فرق چنان این بار افتاده

گفتا ... که ... به عابدان

... کرده ... جهان کنند

... پاک ...

شهرت به پاکبازی خود مردمان کنند

[illegible]

[illegible]

برسان پیامی تو صبا ز بی‌نوائی

که گدای شهر دارد نه نوا بجز صدائی

چه خدا استی که داری به زبان ربنا ظلم

بخدا کسی نبود است مثل تو ناخدائی

سر شمع شکسته‌ام است چه شده هست بر نخیزد

ز شمیم طره صبائی، تو چه جان فزائی

ناگاه ندای آمد از غیب کای غیاث

تو چه طلبی که بهر مسلم کنی دعائی

اوّل ز خوف دار و رسن سرزنش کنند
زان پس بسوئے حجرۂ زندان روان کنند

بے مصلحت تو لب بکشا کاندرین زمان
این آن حکایتے ست کہ کم نکتہ دان کنند

اے مشرقی اسعا ما صورت چو این گرفت
اسلامیان چہ ذکر غم این و آن کنند

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]